ماہنامہ
دلیل راہ
لاہور
ستمبر 2007ء بمطابق شعبان المعظم 1428ھ

"قرآن مجید میں اسلامی زندگی کے جو رہنما اصول دیئے گئے ہیں ان کے مطابق ایک پائیدار اور منظم معاشرے کا قیام اور اس میں عزت اور آبرو سے زندگی گزارنا وہ طریق کار ہے جسے ہر مسلمان نے اختیار کرنا ہے۔ جب اس قدر ([illegible]) کی حفاظت ایمانی [illegible] ہوتی ہے ایسا شخص جو [illegible] کا مرتکب ہو کر کے پاک دامن اور آبرو مند لوگوں کی عزت کے نشانات مٹانے کی کوشش کرے قرآن حکیم اس کے لئے سخت سزا تجویز کرتا ہے لیکن فسق کی [illegible] معاشرہ میں [illegible] اور علامت [illegible] ہمیشہ کے لئے بے قیمت کر دیتا ہے۔"

درس قرآن سے ایک اقتباس

حضرت امام ابو داؤد محمد صادق [illegible]

اے مرے کبریا......!

محسن نقوی

اے انوکھے سخی......
اے مرے کبریا......
میرے ادراک کی سرحدوں سے پرے
میرے وجدان کی سلطنت سے اُدھر
تیری پہچان کا اوّلین مرحلہ......

میری مٹی کے سب ذائقوں سے جُدا......
تیری چاہت کی خوشبو کا پہلا سفر......
میری منزل؟
تیری رہگزر کی خبر......
میرا حاصل؟
تیری آگہی کی عطا......
میرے لفظوں کی سانسیں
تیرا معجزہ......
میرے حرفوں کی نبضیں
تیرے لطف کا بے کراں سلسلہ......
میرے اشکوں کی چاندی
ترا آئینہ......
میری سوچوں کی سطریں
تری جستجو کی مسافت میں گم راستوں کا پتہ......

میں مسافر ترا (خود سے نا آشنا)
ظلمتِ ذات کے جنگلوں میں گھرا
خود پہ اوڑھے ہوئے کربِ وہم و گماں کی سُلگتی ردا
ناشناسائیوں کے پرانے مرض،
گمرہی کے طلسمات میں مبتلا
سورجوں سے بھری کہکشاں کے تلے
ڈھونڈتا پھر رہا ہوں ترا نقشِ پا......
اے انوکھے سخی......
اے مرے کبریا......
کب تلک گمرہی کے طلسمات میں؟
ظلمتِ ذات میں
ناشناسائیوں سے اَٹی رات میں
دل بھٹکتا رہے
بھر کے دامانِ صد چاک میں بے اماں حسرتوں کا لہو
بے ثمر خواہشیں
رائیگاں جستجو......
اے انوکھے سخی......
اے مرے کبریا......
کوئی رستہ دکھا
خود پہ کُھل جاؤں میں
مجھ پہ افشا ہو "تُو"
اے مرے کبریا......
کبریا، اب مجھے
لوحِ ارض و سما کے سبھی ناتراشیدہ، پوشیدہ
حرفوں میں لپٹے ہوئے
اسم پڑھنا سکھا......
اے انوکھے سخی......
اے مرے کبریا......
میں مسافر ترا......

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''ہوا متاعِ سفر پوچھنے کو آتی ہے''

زندگی حرکت اور تبدیلی کا نام ہے۔ سورج چمکتا ہے، ستارے دمکتے ہیں، موسم بدلتے ہیں، غنچے چٹکتے ہیں، سائے گھٹتے اور بڑھتے ہیں، راتیں دنوں کے سمندر میں ڈوب جاتی ہیں اور دن راتوں کے سکوت میں دم توڑ دیتے ہیں۔ آسمانوں کی گود میں سیارے محوِ رقص رہتے ہیں اور زمینوں کی چھاتی پر پُر رنگ فضائیں اٹھکیلیاں کرتی رہتی ہیں، نئے نئے قسم کے جلوے، رنگ رنگ کے احوال، نظر نظر منزلوں کی آنکھ مچولی، آہو نظر خیالات کا کلیلیں بھرنا، آوارہ تصورات کا بے منزل بھٹکنا سب زندگی کی دلیلیں ہیں۔

کائنات پر ایک منزل ایسی بھی آئے گی گویا کاروانِ وجود ٹھٹک کر رہ جائے گا، سورج کا چشمہ خشک ہو جائے گا، چاند کا پھول مرجھا جائے گا، ستاروں کی شمعیں گل ہو جائیں گی، آسمانوں کے خیمے آگ کے سرخ شعلوں کی طرح جہنم نظر بن جائیں گے۔ پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑ جائیں گے، زمین اپنے اندر کے بوجھ باہر پھینک دے گی۔ ارضِ قیامت کا چپہ چپہ خبریں اور شہادتیں اگل رہا ہوگا، زندگی اڑ کر وادیٔ امر میں کھو جائے گی، جہنمیں بھڑکیں گی، جنتیں سجیں گی، ترازو نے عدل قائم ہوگا، قافلۂ انسانیت سوغاتِ شفاعت لوٹنے کے لئے در بدر گھومیں گے۔ ہاں ایسا ہوگا اور ضرور ہوگا۔

زندگی آج جہاں بھی ہے اسے مٹ جانے کا جانکاہ صدمہ بھی اٹھانا ہوگا اور ابھر کر پا لینے کی خوشی بھی حاصل کرنی ہوگی۔ زندگی امتحان ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑی ہے۔ یہ مظلوم، بیچاری اور بے بس امتحان ہی امتحان ہے اور آزمائش ہی آزمائش، زندگی ایک سفر کا نام ہے، ایک صبح اور ایک شام کا نام ہے، زندگی کبھی مسکراہٹ اور کبھی آہِ سرد کا جام ہے، یہ کبھی کشادہ سڑکوں پر دوڑتی ہے اور کبھی بند گلیوں میں رک جاتی ہے۔ زندگی تکوین کی گدڑی بھی ہے اور تشریع کی جولانگاہ بھی، یہ رنگِ کائنات بھی ہے اور جلوۂ صفات بھی ہے، یہ عطائے قدیم بھی ہے اور رنگ حدوث بھی ہے، اسے سمجھ لینا، اسے جان لینا، اسے پا لینا، اس کے تقاضوں کو وجود میں سمو لینا، اس کی تنبیہات سے ڈرنا اور اس کی دعوات پر لبیک کہنا انسانیت ہے، آدمیت ہے، شرف مذہب ہے، جلوۂ دین ہے، وہ شخص جو اسے میلا کر دیتا ہے اسے بدی کی گلی میں رلا دیتا ہے، اسے لوٹتا ہے، اس کی عصمت دری کرتا ہے، وہ خود ہی اسے جہنم میں پٹخ دیتا ہے اور وہ شخص جو اسے نعمت جانتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے، اس کا غلط استعمال نہیں کرتا، اسے منہاجِ سنت کے مطابق بسر کرتا ہے اس کی خوبصورت زندگی دنیا میں اسے حسنہ سے ہمکنار کرتی ہے، قبر میں ملکہ حسن بن کر اس سے پیار کرتی ہے اور میدانِ محشر میں اس کی انگلی پکڑ کر دہلیزِ محمدیت پر حاضری کی سعادت بخشتی ہے۔ مذہب تو بس زندگی کا خوبصورت اور عمدہ استعمال ہے۔

نگاہِ نبوت کی وسعت دیکھو اور اپنے دور کو پڑھو اور پھر زندگی کو جو ہونا چاہیے ویسا بناؤ
آپ نے فرمایا
قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت
میں میری جان ہے دنیا اس وقت
تک ختم نہ ہوگی جب تک ایک ایسا دن
نہ آجائے کہ مقتول کو پتہ نہ ہو کہ
اسے کیوں قتل کیا گیا پوچھا گیا ایسا
کیسے ہوگا تو آپ نے فرمایا حرج کی وجہ
سے اور پھر فرمایا ایسے میں قاتل
اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ (مسلم شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور ﷺ نے قیامت سے پہلے ان واقعات کے رونما ہونے کی نشان دہی فرمائی:

نمازیں قائم کرنے میں غفلت برتی جائے گی
اور
جنسی خواہشات پوری کرنے میں بے راہ روی ہوگی
ظالم لوگ ہادی اور رہنما بن جائیں گے
اور
حق و باطل میں تمیز کرنا مشکل ہو جائے گی
جھوٹ بولنا عام ہو جائے گا
زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے گا
ایمان والوں کو عزت کی نگاہ سے
نہ دیکھا جائے گا
مومنوں کا دل کڑھے گا
لیکن وہ کچھ کر نہ سکیں گے
اور
بارش برسے گی لیکن اس کا فائدہ نہ ہوگا
مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے
جنسی خواہش پوری کریں گی
عورتیں مردوں پر سبقت لے جائیں گی
اور
اولاد ماں باپ کی نافرمان ہو جائے گی
گناہوں کو معمولی سمجھا جانے لگے گا
دوست دوست سے برا پیش آئے گا
مسجدوں کو باہر سے سجایا جائے گا

نمازی ہوں گے
لیکن ان کے دل منافقت سے بھرے ہوں گے
قرآن سنہری حروف میں لکھے جائیں گے
انہیں پڑھنے کی طرف توجہ نہ ہوگی
سودخوری قابو سے باہر ہوگی
قتل عام ہوں گے
ایمان، یقین والوں کا کوئی مددگار نہ ہوگا
گانے والی عورتیں بڑھ جائیں گی
اور
حج سیر بن جائیں گے

مسند امام احمد بن حنبل کی ایک حدیث ملاحظہ ہو:

قیامت کے قریب زمانہ میں قتال ہوگا
اور وہ جنگ کافروں سے نہیں ہوگی
بلکہ
اُمت کے بعض افراد
بعض کو قتل کریں گے
یہاں تک کہ ایک مسلمان
دوسرے مسلمان کو ملے گا
اور اسے قتل کردے گا
اس دور کے لوگوں کی عقلیں سلب کردی جائیں گی
اور بے عقل لوگ امیر بن جائیں گے
لوگ گمان کریں گے کہ وہ کچھ ہیں
حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہوں گے۔" (کنز العمال ۱۱:۱۲۰)

سوچا جائے تو ہمارے زیادہ تر مسائل فکرِ آخرت نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہو گئے ہیں سو ہمیں ڈرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے اور قرآن حکیم کی اس تلقین پر محکم گرفت رکھنی چاہیے سمجھنے اور بننے اور بچنے کا راستہ یہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ
إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ
يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ
كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ
وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا
وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى
وَمَا هُمْ بِسُكَارَى

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ (سورۃ الحج:۲،۱)

''اے لوگو!

ڈرو اپنے رب سے

بے شک قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے

وہ دن جب تم اسے دیکھو گے

ہر دودھ پلاتی عورت

اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی

اور حمل والی اپنے حمل کو گرا دے گی

اور تو لوگوں کو دیکھے گا

کہ وہ نشے اور سکر میں ہیں

حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے

مگر اللہ کا عذاب سخت ہوگا''

اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے محفوظ رکھے اور سرکار ابد قرار کی رحمۃ اللعالمینی کو ہمارا یاور بنائے اور مسلمانوں اور انسانوں کو اس راہ پر چلائے جس پر وہ راضی ہے۔

آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و الہ واصحابہ اجمعین.

سید ریاض حسین شاہ
خزینۃ مدحت

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ
تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ
جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ
تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۤىِٕفَةٌ مِّنَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ
لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَاۤءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ
وَاُولٰۤىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

یہ وہ عظیم الشان سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے روشن آیات نازل کی ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کر سکو (۱) زنا کار عورت اور زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان دونوں پر شفقت نہ گرفت میں لے لے اللہ کے دین کے معاملے میں اگر تم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان دونوں کی سزا کے وقت چاہیے کہ مومنوں میں سے ایک گروہ پاس موجود ہو (۲) زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرک عورت سے اور زانیہ عورت نکاح نہیں کرتی اُس سے مگر زنا کار مرد یا مشرک اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کیا گیا ہے (۳) اور جو پارسا عورتوں پر الزام لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے رسید کرو اور اُن کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں (۴) ہاں جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح بھی کی تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۵)

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝

یہ وہ عظیم الشان سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور اسے ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں ہم نے روشن آیات نازل کی ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کر سکو(۱)

قرآن مجید کی واحد سورت جس کا آغاز لفظ سورت سے ہوتا ہے۔ ایسا قاری قرآن جس کی فکر مادیت نے مسموم نہ بنائی ہو اور اس کی روح میں لذت و اشتیاق کی مٹھاس اور نغمگی موجود ہو اس دلربا اور دلکش اسلوب سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ یہاں "سورۃ" سے پہلے ھذا محذوف ہے مفہوم عبادت یوں ہوگا" یہ وہ عظیم الشان سورت ہے جسے ہم نے اتارا ہے" محل فکر یہ ہے کہ اس خاص نکتہ کا سراغ لگایا جائے کہ صرف اسی سورت کو بالکل آغاز میں سورت کہنے کی حکمت کیا ہے؟ اہل لغت نے سورت کا معنی احاطہ کرنا، کسی خاص قطہ ارضی کے گرداگرد چاردیواری اٹھانے کے لکھے ہیں یقیناً اس لفظ میں یہ اشارہ موجود ہے کہ سورہ نور میں وہ تمام وسائل موجود ہیں جن کے اختیار کرنے سے کوئی شخص اپنے اخلاق اور کردار کے اردگرد عفت و عصمت اور طہارت و تزکیہ کی باڑ لگا سکتا ہے۔ ابن منظور نے لسان العرب میں سورت کا معنی خوبصورت اور نہایت بلند عمارت لکھا ہے اور کہا ہے کہ کسی عمارت کے مختلف حصوں کو بھی سورت کہا جاتا ہے یقیناً اسی معنوی مناسبت سے قرآن مجید کے مختلف حصوں کو بھی سورت کہا جاتا ہے۔ راغب وغیرہ نے سورت کا مفہوم ابھرا ہوا ہونا اور نمایاں ہونا بھی نقل کیا ہے۔ لفظ کی معنوی مناسبت اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ سورہ نور خود بھی قرآن حکیم میں اپنے بعض مضامین کے اعتبار سے نمایاں ہے اور اس کی زندہ، پائندہ، خوبصورت اور حسین و جمیل تعبیرات اپنے پڑھنے والے کے تشخص میں ابھار اور جاذبیت پیدا کرتی ہیں۔ زیر نظر آیت کا یہی وہ کردار ساز اعجاز ہے جو آیت کا فنی عمود بھی ہے۔

اَنْزَلْنٰهَا کے اندر قاری قرآن کی روح میں ایک عمیق احساس کا شعلہ پیدا کیا جا رہا ہے کہ وہ قرآن مجید سیکھنے کے لیے کسی معلم کے سامنے بیٹھے یا کسی "اوراق دار صحیفہ" سے اس کی تلاوت کرے اُس کے سینے میں یہ اعتقاد محکم ہو کہ اس سورت کا ایک ایک لفظ اپنے لاہوتی حسن اور الوہی جمال کے ساتھ اس کے خالق اور مالک کی طرف سے ہے۔ اس سورت کے تمام مطالب، جمیع مفاہیم، ساری دعوات اور تمام اسباق اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ یہ عقیدہ کہ جس کتاب کو میں پڑھ رہا ہوں اللہ کی طرف سے ہے غیریت کے تمام پردوں کو چاک کر دیتا ہے اور باطن میں دبی ہوئی خواہشات کے سومنات پاش پاش ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ یقین جانیے

یہ ایک جملہ نہیں ایمان، اعتقاد
اور احساس کا ایک قرآنی وسیلہ
ہے روحانی حس سے لذت مندر ہے
والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں
کہ شوق انگیز راحتوں اور لذتوں کا
مخزن یہ تسلیم کرنا ہے کہ
یہ سورت ہے
اس کا ہر پیغام دلآویز ہے
اس کا ہر حرف آئینہ حقیقت ہے
فراق، لقائے محبوب و عالم آگہی کی تسخیر کے لیے
کتنے فرحت آفرین ہیں یہ الفاظ
"سورت ہے اسے ہم نے اتارا ہے"

سزا کی تلخی وحشت نہیں بلکہ حواس میں بیداری کا شعلہ روشن کرنا ہے

وَفَرَضْنٰهَا

اور اسے ہم نے فرض کیا ہے

"فرض" کا لغوی معنی کسی سخت چیز کو کاٹنا ہوتا ہے چونکہ کاٹنے کے لیے اندازہ کرنا ضروری ہوتا ہے اس لیے فرض اندازہ کرنے کے

معنوں میں بھی استعمال ہونے لگا ہے۔ قرآن حکیم نے مقررہ حصہ کے لیے لفظ فریضہ استعمال فرمایا۔ بعد میں یہ لفظ معین کرنے، مقرر کرنے، لازم کرنے اور ضروری ہونے کے معنوں میں استعمال ہونے لگ گیا۔ فرض کے مفہوم میں کسی چیز کا قطعی ہونا اور اٹل ہونا شامل ہوتا ہے۔

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے

ان الذی فرض علیک القران (القصص ۸۵)

بے شک وہ ذات جس نے تم پر قرآن فرض کیا ہے

وفرضنھا کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس سورت کو ہم نے فرض کیا ہے اور اس میں جو احکام ہیں وہ قطعی اور اٹل ہیں انہیں کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کی اس مختصر سی تعبیر میں مسلمانوں کے لیے ترغیبی موعظت یہ ہے کہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ہر بات کو قطعی جانیں اور اپنی عملی زندگی میں اس کا نفوذ ممکن بنائیں۔ احکام قرآنی کی فرضیت پر اعتقاد ہی اعمال حسنہ کی بنیاد بن سکتی ہے۔ "سورہ نور" جس میں زیادہ تر احکام کا توارد عفت وعصمت اور طہارت وتزکیہ کا قیام عمل میں لانے کے لیے ہے۔ اس میں بیان کی گئیں سزائیں بھی کردار سازی کا مقصد رکھتی ہیں۔ جب یقین محکم ہوگا تو مومن کو ایمان کی معراج نصیب ہوگی۔

وَفَرَضْنٰهَا میں ایک لامحدود قدرت رکھنے والی ذات کا اپنی ہی تخلیق کی گئی محبوب مخلوق کے نام حکم ہے کہ ان احکام کو مشکل نہ جانو یہ ہم نے فرض کیے ہیں گویا حقیقت جلال کے جلوے آئینہ جمال میں فروزاں دکھائی دے رہے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ

اور نازل کیں ہم نے اس میں روشن آیات

مفسرین نے لکھا کہ **وَفَرَضْنٰهَا** سے مراد وہ احکام اور قوانین ہیں جن کا نزول اس سورت میں ہوا اور "و انزلنا فیھا آیات بینات" سے اشارہ توحید و وحدانیت، نبوت ورسالت اور مبدا ومعاد کی طرف ہے۔

مضامین آیت کو اگر بغور پڑھا جائے تو فہم وتفہیم کی چند بنیادیں ہیں جن میں منطقی مراحل کا حسن محسوس ہوتا ہے۔

یہ ایک سورت ہے یعنی اس کتاب
اور صحیفے کی ہر تعلیم محفوظ اور مصئون ہے
اسے ہم نے نازل کیا ہے یعنی یہ کسی انسان
کی تخلیق نہیں بلکہ اسے اللہ نے اتارا ہے
اس صحیفۂ نور کا ہر حکم فرض ہے یعنی
عقائد واحکام ہوں یا آداب معاشرت
نازل کرنے والے کی ہر بات قطعی، یقینی اور اٹل ہے
اس بلند اور رفیع الشان احکام نامے
کا ہر حکم آیت ہے یعنی اس کا اعجاز
اور ایجاز اس کی دانش اور فہم عقل اور ذکا
کو للکار رہی ہے، طبیعت میں غباوت نہ
ہو تو اس تعلیم کا ہر زاویہ فکر عقیدہ ساز
اور انقلاب آفرین ہے

سورہ نور میں احکام کا توارد
عفت، عصمت، طہارت اور تزکیہ کا
قیام عمل میں لانے کے لئے ہے

اور اس سورہ عظیمہ کی ہر آیت روشن اور درخشاں ہے یعنی ان میں کسی قسم کا ابہام اور التباس نہیں اس کے احکام کھلے کھلے اور روشن وشگفتہ ہیں۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

تاکہ تم نصیحت حاصل کر سکو

قرآن مجید کی سب آیات میں تقریباً آیت کا آخری حصہ تفسیری عمود کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد باری ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کر سکو ایک تو یہ فقرہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ دین حق اسلام کی تمام تعلیمات انسانی فطرت کے اندر موجود ہیں۔ قرآن حکیم کے تمام فرامین روح

انسان میں موجود رسِ حقیقت کو محض تحریک دیتے ہیں دوسرا اس جملہ میں یہ حکمت مبرھن ہے کہ قرآن حکیم کی تعلیمات اپنانے میں فائدہ سراسر تمہارا ہے تم ان روشن راہوں پر چل کر کامیاب انسان بن سکتے ہو۔

اسلوبِ آیت میں تاکیداتِ مسلسل معاصی سے اجتناب برت کر قلب و روح میں طاعات کا نور داخل کرتی ہیں۔ تعلیمات کے مبنی بر صدق ہونے پر نا قابل شکست یقین وایقان بندۂ مومن کو عہد مادیت سے بے نیاز کر کے عہد ازل سے وابستہ کر دیتی ہیں اور اس میں شک نہیں زندگی کی اصل تذکر ہے معرفت ہے، حسن ازل سے وابستگی ہے عالم ارواح کی تازہ یادوں میں کھب جانا ہے۔ خالق حقیقی کے اوامر پر بے تاب عمل کا شوق فراواں ہے اور مجاز کے پردوں میں حقیقت کے رنگ دیکھنا ہے بڑا معنی خیز جملہ ہے اور بڑی لذت آفرین حکمتیں پوشیدہ ہیں اس جملہ میں " تاکہ تم نصیحت حاصل کر سکو"۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

زنا کار عورت اور زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ اور تمہیں ان دونوں پر شفقت نہ گرفت میں لے لے اللہ کے دین کے معاملے میں اگر تم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور ان دونوں کی سزا کے وقت چاہیے کہ مومنوں میں سے ایک گروہ پاس موجود ہو (۲)

قرآن مجید کی اس آیت مقدسہ میں روحوں، دلوں اور احساسات میں تقدس اور تزکیہ کی خوشبو قائم رکھنے کے لیے ناجائز جنسی تعلقات کی مضرت تادیبی امر سے بیان کی گئی ہے۔ سزا کی تلخی دہشت نہیں بلکہ حواس میں بیداری کا شعلہ روشن کرنا ہے یقیناً سزا تذکیہ کے لیے ہوتی ہے اور اجتماعی نظم وضبط کی اہمیت اجاگر کرنا سزاؤں سے سہل بن جاتا ہے۔ بنیادی طور پر اسلام معاشرتی دین ہے اس میں فرد کو ایک بھرپور اور منظم اجتماع کی اکائی تصور کیا گیا ہے۔ اس کی شخصی زندگی کے ایسے اعمال جو معاشرت کو گندہ کر سکتے ہوں اور اجتماع کا شیرازہ بکھیرنے کا سبب بن سکتے ہوں سختی سے ان کا انسداد کیا گیا ہے اور یوں بھی نسل انسانی کی بقا مقاصد شریعت کا ایک اہم باب ہے اگر ہر شخص کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ تخلیق کا تخم ہر کھیتی میں جا بوئے تو انسانی نسل یتیم اور بے پدر ہو جائے اور طرح طرح کی مضر بیماریاں اس پر یلغار کر دیں۔ انتشار اور فساد کی مہلک ہوائیں کاروانِ انسانیت کا دم توڑ دیں، رشتوں کی پاکیزگیاں معاشرت کی جان ہیں جبکہ زنا معاشرہ کو جنسی تخریب اور انتشار کی راہ ڈال دیتا ہے اسی لیے قرآن حکیم بدکاری اور زنا کو معمولی گناہ تصور نہیں کرتا بلکہ اسے ایک سنگین گناہ سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرنے والوں کو کڑی سزائیں دینے کا حکم دیتا ہے۔

ایمان طبیعت پر خوشگوار اثر مرتب کرتا ہے جبکہ فسق وفجور سے طبیعت مسخ ہوتی ہے

فقہائے کرام نے سو کوڑے رسید کرنے کی سزا صرف زنا کا ارتکاب کرنے والے اس شخص کے لیے بیان کی ہے جس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ ایسا زانی جو شادی شدہ ہو اس کی سزا رجم ہے۔ رجم کا ثبوت رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے تعامل سے ہے۔ بعض جدت گزیدہ مفسرین نے خواہ مخواہ موشگافیاں کرنے کی کوشش کی ہے جو ہمارے نزدیک فضول ہیں۔ ہمارے اکابر فقہا نے جس عرق ریزی کے ساتھ مسائل کا استنباط کیا ہے ہمیں چاہیے کہ اس کا تتبع کریں۔ مسلم معاشرہ میں ضرورت صرف احکام اور حدود کی تنفیذ کی ہے نہ کہ بحث وجدال کی۔ ہمیں مخلصانہ جذبوں سے فقہا کی تحقیقات بابرکات کو اپنے قانون کا حصہ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

عملی تنفیذ کے لیے فقہی احکام کی تفصیل کتب فقہ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢﴾

آیہ مقدسہ میں دوسرا حکم سزا کا اجرا کرنے میں بدکاری کا ارتکاب کرنے والوں پر نرمی نہ برتنے کا ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اس شرعی سزا میں تھوڑی سی شفقت اور نرمی پورے معاشرے کو عدم استحکام کا شکار بنا سکتی ہے۔ زنا کے روحانی مفاسد اگر سامنے آ جائیں تو بدکار آدمی اپنی لاش اپنے کندھوں پر خود اٹھائے پھرے۔ یہ اتنا بُرا مرض ہے کہ دشمن کو گویا خود اپنے اُوپر قابو دینے والی بات ہے، اس سے رزق میں تنگی آتی ہے ہیبت اور دبدبہ شخصیت سے رخصت ہو کر اسے لومڑی بنا دیتا ہے، عمر میں کمی واقع ہوتی ہے، روح تاریکی میں ڈوب جاتی ہے اور مرنے

کے بعد قبر میں دبیز اندھیرے چھا جاتے ہیں اور آخرت میں آگ کا عذاب گھیر لیتا ہے انہی ہلاکت افزا مفاسد کی بنا پر قرآن حکم دیتا ہے کہ بدکاری کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ نرمی نہ برتی جائے بلکہ سزا دینے کو ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں "حضور انور ﷺ نے فرمایا:

"لوگو! زنا سے بچو اس لیے کہ زنا کار دنیا میں عزت سے محروم ہو جاتا ہے عمر کی کمی اور فقر اس پر مسلط کر دیے جاتے ہیں اور آخرت میں اللہ کا غضب، کڑا احساب اور آگ میں ہمیشگی ایسی سزائیں اُسے پیش آئیں گی"۔

حضور انور ﷺ کی یہ حدیث بھی عبرت آموز ہے۔

"شعبان کی نصف شب شرک نہ کرنے والے مومن کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان پانچ لوگوں کے:

۱۔ جادوگر

۲۔ کاہن

۳۔ والدین کا نافرمان

۴۔ شرابی

۵۔ زنا کا خوگر

سزا کے وقت مومنوں کے ایک گروہ کی موجودگی عبرت سازی کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے۔ مداہنت اور چشم پوشی کو جڑ سے اکھیڑ دیا گیا۔ عورت، مرد، امیر، غریب اور فقیر تو نگر سب کے لیے حدود اور احکام کی بے لاگ تنفیذ لازم قرار دی گئی ہے۔

سزا کی تنفیذ میں علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل کی جس کا پڑھ لینا باعث صد ہزار انوار ثابت ہو سکتا ہے۔

حدود اور سزائیں نافذ کرنے والوں کو قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا۔

اگر کسی نے ایک کوڑے میں بھی کمی کی ہوگی تو کہا جائے گا

"تو نے ایسا کیوں کیا ہے؟" وہ کہے گا

"تیرے بندوں پر شفقت اور رحمت کی غرض سے کیا ہے"۔

رب تعالیٰ فرمائے گا

"کیا تو بندوں پر مجھ سے بھی زیادہ مہربان تھا؟"

حکم دیا جائے گا "اسے جہنم میں جھونک دو"۔

اس کے بعد ایک دوسرے شخص کو لایا جائے گا

جس نے حدود میں ایک کوڑے کا اضافہ کر دیا ہوگا۔ کہا جائے گا

"تو نے ایسے کیوں کیا ہے؟" وہ کہے گا

"تاکہ تیرے بندے معصیت سے باز آ جائیں"

رب فرمائے گا "کیا تو مجھ سے زیادہ علیم و خبیر تھا؟"

پھر حکم دیا جائے گا کہ "اسے بھی جہنم میں جھونک دیا جائے"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "اقامت حد زمین پر چالیس راتوں کی باران رحمت کے نزول سے زیادہ نفع بخش ہے"۔

اقامت حد زمین پر چالیس راتوں کی بارش سے زیادہ نفع بخش ھے

درسِ عبرت

سید ابوالحسنات لکھتے ہیں کہ تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں جب وہ جیل میں تھے ایک مرزائی آئی جی نے ایک عاشق رسول کو ٹکٹکی پر چڑھایا اور ان بیدوں سے پٹوائی کی جو پانی میں بھیگے ہوئے تھے اور اُس نے چیر کر اُس میں سیفٹی ریزر لگائے ہوئے تھے۔ اس کی ضرب کے ساتھ سرین کی بوٹیاں

اڑ اڑ کر درختوں میں پناہ لیتی تھیں اور چیل کوؤں کی آغوشِ شکم میں پناہ لیتی تھیں۔

پاکستانی فوج کا ظالم سرکش اور تند خو جرنیل "ضیاء الحق" جب برسرِ اقتدار آیا۔ اُس نے ہزاروں بے گناہوں کو ٹکٹکی پر چڑھایا۔ سیفٹی ریزر لگائے ہوئے کوڑے رسید کیے۔ راقم الحروف نے جیل میں جب وہ خود محبوس تھا بے گناہ لوگوں کو تختۂ دار پر چڑھاتے دیکھا۔ مجھے خود کوڑوں کی سزا ہوئی لیکن تعمیل سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یاوری فرمائی۔ میری سزا صرف ایک تقریر کی وجہ سے تھی۔ جنرل صاحب کو خود بالآخر مکافاتِ عمل نے گھیر لیا۔ ایک سجیلے نوجوان "محمد طارق" نے سولی پر چڑھنے سے پہلے میری بیعت کی اور دس مرتبہ قرآن حکیم کی قسم کھائی کہ شاہ صاحب مجھے بے گناہ، بے گناہ، بے گناہ قتل کیا جا رہا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔ اسلام میں ایسے ظالمانہ کوڑے رسید کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ روح المعانی نے عہدِ فاروقی میں اس بات پر اجماع نقل کیا کوڑے چابک سے رسید کیے جاتے تھے۔ علامہ آلوسی کے یہ الفاظ معنیٰ خیز ہیں "لان الهلاک غیر مطلوب" اس لیے کہ سزا میں ہلاک کرنا مقصود نہیں ہوتا"۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانیہ یا مشرک عورت سے اور زانیہ عورت نہیں نکاح کرتی اس سے مگر زناکار مرد یا مشرک اور یہ کام ایمان والوں پر حرام کیا گیا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں نکاح کی اہمیت، بر تلاش کرنے میں تقویٰ، مناکحت میں اخلاق اور روحانی محاسن کو ترجیح دینا، بدکاری میں آلودہ لوگوں سے کنارہ کشی، شرک اور زنا کا گندگی میں ایک ہی طرح ہونا، ایمانی اور روحانی اقدار کی محافظت، نجابتِ نفسی اور شرافتِ کسبی ایسے اوصاف اور فضائل کا تحفظ اور رشتوں ناتوں کا روحانی، دینی اور سماجی معیار ایسے گنت مسائل سے نقاب کشائی کی جا رہی ہے۔

آیت کا آغاز ظاہراً اگرچہ مفہوم خبر کے لئے ہو رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ نہی کے مفہوم میں ہے۔ شیخ زادہ محی الدین قوجوی نے لکھا ہے کہ اخبار کا مفہوم عام اور اغلب ہونے والے ہر نکاح کے لئے ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے نیکی نہیں کرتا مگر تقویٰ دار شخص۔ اس کا یہ معنیٰ ہرگز نہ ہوگا کہ بُرے آدمی سے کبھی نیکی سرزد ہوتی ہی نہیں۔ مفہوم آیت یہ ہوگا کہ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ زانی شخص زانیہ یا مشرکہ کو اپنے نکاح کے لئے پسند کرتا ہے۔ امام نسفی نے کہا ہے کہ اس قسم کے حکم دراصل اس لئے دیئے جا رہے ہیں کہ باغی اور بدکار لوگوں سے رشتوں اور ناتوں کی حوصلہ شکنی کی جائے اور نیک اور پاکباز لوگوں کی تربیت ہو کہ وہ ناپاک لوگوں کو اپنا جیون ساتھی بنانے سے گریز کریں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ نجابت یا شرافت کسی بھی قسم کی ہو خاندانی ہو خواہ مسلسل ریاضتوں اور تقویٰ سے پیدا ہوئی ہو اس کی حفاظت ضروری ہے۔ کفو میں شادیاں کرنا، بر میں اچھے اور پاکیزہ رشتے تلاش کرنا، منفی اور تخریبی رجحانات کے مالک لوگوں سے دامن بچانا صرف ایک ہی مقصد رکھتا ہے کہ نیکی اور خوبی کا تخم اپنی حقیقت اور حسن کھو نہ بیٹھے۔ ایمان عفت و عصمت کو جس طرح روشنی بخشتا ہے ضروری ہے کہ بد اخلاقیوں کے اندھیروں سے اسے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے۔ حضور انور ﷺ نے مدینۃ النور میں جو معاشرہ تخلیق فرمایا تھا اگر اس کے اندر گندے عناصر کا اختلاط کھلم کھلا روا رکھ دیا جاتا تو اسلامی اعلیٰ اقدار کی توریث کیسے ممکن ہوتی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس آیہ کریمہ میں ایمان اور فسق و فجور کے اثرات کا شاندار تجزیہ کیا ہے کہ ایمان طبیعت پر خوشگوار، لطیف اور پاکیزہ اثر مرتب کرتا ہے جبکہ فسق و فجور سے طبیعت مسخ ہوتی ہے، شخصیت میں اندھیروں اور مکروہ اثرات کا غلبہ ہوتا ہے۔ ایمانی زندگی اور فاسقانہ زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اس فطری بعد کی وجہ سے زانی شخص فسق و فجور میں آلودہ ہونے کی بنا پر صالحہ عورت سے نکاح میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور یونہی بدکار عورتیں بھی گندی طبیعتوں کی طرف میلان رکھتی ہے اور صلحا کو بھی گندی عورتوں سے طبعاً نفرت ہوتی ہے اور وہ ان کے وجود میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے پس بعد و قرب کا حوالہ قرآن کریم نے "معیارِ نکاح" بنا دیا یہی وہ آیت کے تفسیری پہلو ہیں جنہیں جمہور کی روایت کردہ باتیں مؤکد کر دیتی ہیں۔

ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا کہ ایک صحابی مرثد بن مرثد غنوی ضعیف اور کمزور مسلمانوں کو مشرکین مکہ کی قید سے آزادی دلوا کر مدینہ لایا کرتے تھے اور قیدی جن لوگوں کا ہوتا ان سے کچھ اجرت وصول کر لیتے۔ دورِ جہالت میں مکہ کے اندر ایک عناق نامی عورت مرثد سے ناجائز تعلق رکھتی تھی ایک مرتبہ اچانک ایک رات کی چاندنی میں اس نے مرثد کو دیکھا کہ وہ کسی قیدی کو اٹھانا چاہتے ہیں عناق نے انہیں دعوتِ گناہ دی جس پر مرثد نے کہا کہ یہ پہلے زمانے کی باتیں تھیں اب چشمِ نبوت نے انہیں طہارت کا لبادہ پہنا دیا ہے۔ اسلام کی پاکیزگی ان کے دل اور روح میں اتر چکی ہے اس لئے گناہ ممکن نہیں۔ اس پر عناق نے شور مچا دیا کہ اے خیمہ والو! دیکھو یہ شخص تمہارے قیدیوں کو لئے

جا رہا ہے۔ مرشد کہتے ہیں! آٹھ آدمیوں نے میرا تعاقب کیا لیکن میں نے ایک غار میں پناہ لے لی وہ مجھے پا تو نہ سکے لیکن انہوں نے اس غار میں پیشاب کرنے کی ذلت اٹھائی جس سے مجھے ایذیت پہنچی لیکن وہ خائب واپس لوٹے۔ میں نے پھر موقع پا کر ایک قیدی اٹھالیا اور بھاگ گیا اور اسے مدینہ لے آیا۔ حرم رسول میں حاضری ہوئی اور میں نے عناق سے نکاح کی اجازت چاہی آپ خاموش رہے۔ میری طرف سے تھوڑا سے اصرار بڑھا تو آپ نے مجھے فرمایا کہ یہ آیت ابھی ابھی نازل ہوئی ہے یقیناً یہ تمہارے سوال کا جواب ہے کہ تم زانیہ یا مشرکہ عورت سے نکاح نہ کرو۔

سید قطب نے اچھا لکھا کہ اس آیت کے اقدامات زانیہ عورت اور بدکار مرد کو مسلم معاشرے سے کاٹ دیتے ہیں یہ سزا کوڑوں کی سزا سے بھی اشد ہے۔

آیت میں مشرکین کا زانی پر عطف مفہوم آیت کی وضاحت اور زنا کی نجاست کو انتہائی بلاغت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے ہے تاکہ قاری قرآن زنا کو شرک سے قریب قریب گناہ تصور کرے۔ ایک حدیث شریف اسی بات کی مزید وضاحت کرتی ہے۔

''جب کوئی زانی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان اس کے دل سے نکل کر اُوپر چلا جاتا ہے اور کوئی شخص جب چوری کرتا ہے تو اس کا ایمان اس کے دل سے نکل کر اُوپر چلا جاتا ہے'' یعنی ان افعال کے ارتکاب سے ایمان بدن سے یوں نکل جاتا ہے جیسے لباس بدن سے اتار لیا گیا ہو''

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور جو پارسا عورتوں پر الزام لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے رسید کرو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں (۴) ہاں جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح بھی کی تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(۵)

زیر تلاوت آیت میں معاشرتی استحکام، قانونی وثوق، شخصی اصلاح، روحانی تقویت اور اسلامی تربیت کا خوبصورت دستورالعمل دیا جا رہا ہے۔ ''رمی'' کا لغوی معنیٰ پتھر یا کسی اور چیز کے پھینکنے کے ہوتے ہیں لیکن بعد میں ادبی اسالیب کے اندر یہ لفظ الزامات دھرنے، تہمتیں لگانے اور گالی گلوچ کرنے کے معنوں میں استعمال ہونے لگ گیا ہے ''محصنات ''محصنہ'' کی جمع ہے اور اس لفظ کا مادہ ''احصان'' ہے جس کا مفہوم حفاظت کرنا اور حفاظت میں لے لینا ہوتا ہے۔ پارسا عورتیں چونکہ اپنی عفت و عصمت کو حفاظت میں لیے ہوتی ہیں اس لئے انہیں محصنات کہا جاتا ہے۔

چونکہ اس آیت سے پہلے ''زنا اور اس کی سزا'' یا قانون قرآن حکیم نے بیان فرمایا اس لئے اب اس آیت میں قانون سے دھوکہ برتنے والوں مخادعت سے روکنے کے لیے اور معاشرتی توازن قائم رکھنے کے لئے مزید قانون سازی کی گئی کہ جو لوگ پارسا عورتوں پر عفت سوز اعمال میں سے کسی عمل کی تہمت لگاتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنے دعویٰ کو محکم ثابت کرنے کے لئے چار گواہ پیش کریں اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو انہیں اسی (۸۰) کوڑے رسید کئے جائیں۔ یہاں سوچنے والی بات یہ ہے کہ پاک دامن خواتین پر تہمت لگانے والوں کا جرم سزا کے لحاظ سے زنا کا ارتکاب کرنے والوں کے جرم سے تقریباً قریب قریب رکھا یقیناً یہ اس لئے تھا کہ شخصیات گھرانوں اور اجتماعات کے احترام کو محفوظ بنایا جائے کوئی بھی شخص قانون ہاتھ میں لے کر کسی کی شخصیت سے کھیلتا نہ پھرے۔

وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا

اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو

صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ لوگ جو پارسا لوگوں پر تہمت زنی کرتے ہیں انہیں اسی (۸۰) کوڑے رسید کئے جائیں بلکہ ایسے بے غرض، بے تقویٰ اور سفلہ مزاج لوگوں کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے۔ ایک مرتبہ جب وہ اپنا معیارِ عدالت مجروح کر چکے ہیں تو ایسے لوگوں کو توبہ کرنے پر جنت تو دی جاسکتی ہے لیکن ان کا معاشرتی وقار بحال نہیں ہو سکتا۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

اور وہی لوگ فاسق ہیں

قرآن مجید میں اسلامی زندگی کے جو رہنما اصول دیے گئے ہیں ان کے مطابق ایک پائیدار اور مستحکم معاشرے کا قیام اور اس میں عزت اور آبرو سے زندگی گذارنا وہ علامتی کردار ہے جسے ہر مسلمان نے اختیار کرنا ہوتا ہے اور اس قدر (Value) کی حفاظت ایمانی ذمہ داری ہوتی ہے ایسا شخص جو ''رمی وقذف'' کا ارتکاب کر کے پارسا اور آبرو مند لوگوں کی عزت کے نشانات مٹانے کی کوشش کرے قرآن حکیم اس کے لئے سخت سزا تو تجویز کرتا ہی ہے لیکن فسق کی رسوا ساز تاریکیاں اسے معاشرہ میں ہمہ دم گھیر لیتی ہیں اور یہ سیاہ نشان اور ملامت اسے ہمیشہ ہمیشہ

کے لئے بے وقعت کر دیتا ہے۔

قرآن مجید کا قانون زنا و قذف پڑھنے والوں کے لئے دو چار ملاحظات پیش رکھنے ضروری ہیں۔

ایک تو یہ کہ تہمت لگانے کے لئے قرآن مجید نے اگرچہ یہی لکھا ہے کہ پاک دامن عورتوں پر الزام دھونے والوں کی سزا یہ ہے کہ اسے کوڑے رسید کیے جائیں لیکن سزا کی تخفیف صرف پارسا عورتوں پر الزام دھرنے ہی سے متعلق نہیں بلکہ پارسا مردوں پر بھی تہمت لگانے والوں کو یہ سزا دی جائے گی اس پر اجماع ہے۔

کوڑے مارنے کی سزا معاشرتی تزکیہ کا مقصد عظیم واضح کرتی ہے جبکہ الزام دھرنے والوں کو سزا سنانا ہتک عزت کا قانون جمع کرتا ہے اور سماجی اور اخلاقی جرائم کی روک تھام کے لئے بے حد خوبصورت اہتمام ہے۔ شریعت مطہرہ نے لوگوں کی عزت و آبرو محفوظ بنانے کے لئے ممکنہ اقدامات اٹھائے ہیں تاکہ توازن اور حسن کے ساتھ معاشرہ ارتقا کی منزلیں طے کرے۔

زنا کی سزا میں چار گواہ احتیاط کی انتہا سے نقاب کشائی کر رہی ہے۔ جرائم پر سزا میں اسلام کا مزاج ویسے بھی احتیاطیں تلقین کرتا ہے لیکن زنا کی سزا میں گواہی میں یہ شدید اور انتہائی احتیاط اس لئے ہے کہ کسی مظلوم و معصوم کی عزت، آبرو اور وقار خواہ مخواہ مجروح نہ ہو جائے

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح چاہی بے شک اللہ بخشش فرمانے والا مہربان ہے۔

توبہ اور اصلاح اسلام کی ترتیبیں زندگی میں راہ اور منزل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دنیا میں توبہ کا فیضان اصلاح ہوتا ہے ایسی توبہ جو اصلاح کا دروازہ نہ کھولے وہ بے معنی اور بے لذت ہوتی ہے اور آخرت میں توبہ کا ثمر دوہرا ہوتا ہے ایک تو اصلاح کے نتیجے میں کیے جانے والے اعمال کا نور اور دوسرا برے اعمال سے بیدار ہونے والی ظلمتوں اور اندھیروں کا ازالہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے جس سے اس کے بندے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو ہمیشہ تائب رہنا چاہئے یہ گناہوں کی تلافی کا موثر ذریعہ ہے اور جولانگاہ عمل میں بڑا جہاد جس سے شخصیت تکمیل و ارتقا کی منزلیں طے کرتی رہتی ہے۔

❁ ❁ ❁

رخِ مصطفیٰ ﷺ کی زیارت

قبولیتِ اسلام کا وسیلہ

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن الحسن بن علي بن ابي رافع ان ابا رافع (رضي الله عنهم) اخبره قال بعثني قريش الىٰ رسول الله ﷺ فلما رأيت رسول الله ﷺ اُلقي في قلبي الاسلام فقلت يارسول الله ﷺ اني والله لا ارجع اليهم ابدا فقال رسول الله ﷺ اني لا اخيس بالعهد ولا احبس البرد ولكن ارجع فان كان في نفسك الذي في نفسک الأن فارجع قال فذهبت ثم اتيت النبي ﷺ فاسلمت (سنن ابوداؤد، جلد۲، ص۳۱، کتاب الجہاد باب فی الامام یستجن بہ فی العہود)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی بن ابی رافع (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے (فرماتے ہیں) حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے ان کو خبر دی وہ فرماتے ہیں مجھے قریش نے (اپنا نمائندہ بنا کر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ جب میں نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام ڈال دیا گیا میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم میں ان لوگوں کی طرف کبھی بھی واپس نہیں جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ ہی میں قاصدوں کو روکتا ہوں لیکن تم واپس جاؤ اگر تمہارے دل میں یہ بات باقی رہی جو اس وقت تمہارے دل میں ہے تو واپس آ جانا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں چلا گیا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

لا اخیس (خاء کے ساتھ) میں عہد شکنی نہیں کرتا۔ لا احبس (حاء نقطہ کے بغیر) میں روکتا نہیں۔ البرد، برید کی جمع قاصد کو کہتے ہیں۔

یہ حدیث مبارک دو بنیادی باتوں پر مشتمل ہے ایک مقام مصطفےٰ ﷺ اور دوسری بات نظام مصطفےٰ ﷺ۔

پہلی بات کی وضاحت اس طرح ہے کہ جب حضرت رافع رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو ابھی تک انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ کفار کے نمائندے تھے اور خود بھی حالت کفر میں تھے۔ انہوں نے نظام مصطفےٰ ﷺ یعنی دین اسلام کا مطالعہ نہیں کیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان نہیں کیں، ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نہیں دی یعنی نہ تو انہوں نے کوئی لفظ سنا، نہ ہی انہیں تبلیغ کی گئی بلکہ صرف رسول اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت ان کے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ بن گئی۔

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اسلام کو پرکشش بنایا اور اس کا عادلانہ اور رحمت بھرا نظام غور وفکر کرنے والوں کے لئے ہدایت کی راہیں کھول دیتا ہے وہاں رسول اکرم ﷺ کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال یعنی صورت و سیرت کے حسن کو محض آپ کے قرب کا نہیں دین اسلام سے کامل وابستگی کا سبب اور وسیلہ بنایا۔

یہی وجہ ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے اور لوگ آپ کی زیارت اور ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جو اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے وہ بھی حاضر خدمت ہوئے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ کا چہرہ انور دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہو سکتا۔

رسول اکرم ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت ان کے اسلام قبول کرنے کا ذریعہ بن گئی

گویا رسول اللہ ﷺ کی ذات والاصفات اسلام کی چلتی پھرتی دعوت تھی اور یہی وجہ ہے کہ کفار کو یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ باہر سے آنے والے لوگ جب آپ کو دیکھیں گے تو فوراً اسلام قبول کر لیں گے۔ اس لئے وہ چوراہوں اور مکہ مکرمہ میں داخل کے تمام راستوں پر کھڑے ہو

جاتے اور آنے والوں سے کہتے کہ دیکھنا شہر میں ایک مجنون رہتا ہے (معاذ اللہ) اس کے قریب نہ جانا لیکن انسانی فطرت کے مطابق کفار مکہ کا یہ حربہ باہر سے آنے والوں کے دلوں میں رسول اکرم ﷺ کو دیکھنے کا شوق پیدا کر دیتا اور یوں وہ آپ کی زیارت کرتے ہی اسلام قبول کر لیتے۔

اور اسی خطرے کے پیش نظر جب رسول اکرم ﷺ کے خلاف قریش مکہ کے اجلاس میں مختلف تجاویز پر غور کیا جا رہا تھا اور جب یہ تجویز سامنے آئی کہ ان کو مکہ مکرمہ سے باہر نکال دیا جائے، شہر بدر کر دیا جائے تو اس کے جواب میں کہا گیا جب آپ باہر جائیں گے تو لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوں گے اور یوں آپ ایک لشکر جرار کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں گے۔

رسول اکرم ﷺ کی صورت کو دیکھ کر بھی لوگ اسلام قبول کرتے اور آپ کی سیرت طیبہ یعنی حسن اخلاق، صداقت، دیانت اور امانت کو دیکھ کر بھی لوگ جوق در جوق اسلام کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کے پیش نظر کہا تھا:

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

یعنی اسلام اور رسول اکرم ﷺ کو جدا جدا نہیں کر سکتے۔ رسول اکرم ﷺ کی محبت کے لئے آپ کو حسن ظاہری اور حسن باطنی عطا کیا گیا اور اس محبت کو ایمان کی چاشنی اور حلاوت کا ذریعہ بنایا گیا۔ معروف حدیث ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

ثلث من کن فیہ وجد فیھا حلاوۃ الایمان من کان اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما و من احب عبد الا یحبہ الا اللہ و من یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار (مشکوۃ المصابیح، کتاب الایمان ص ۱۲)

تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں وہ ان کے ذریعے ایمان کی لذت حاصل کرتا ہے۔ وہ شخص جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ان دونوں کے علاوہ (لوگوں) سے زیادہ محبوب ہوں، جو شخص کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کی رضا کے لئے محبت کرے اور جو شخص کفر میں لوٹنا ناپسند کرے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے محفوظ رکھا اس طرح ناپسند رکھے جس طرح اسے آگ میں ڈالا جانا ناپسند ہوتا ہے۔

تبلیغ دین اور تقاریر و خطابات کے ذریعے اس قدر لوگ مسلمان نہیں ہوتے جس قدر بزرگان دین کی محبت اور ان کے دامن سے وابستگی کی وجہ سے مسلمان ہوئے

ایمان کی حلاوت کیا ہے تو علماء کرام فرماتے ہیں

حلاوۃ الایمان ای لذتہ و رغبتہ معنی حلاوۃ الایمان استلذاذ الطاعات و تحمل المشاق فی رضائہ تعالیٰ و رسولہ ﷺ (حاشیہ مشکوۃ شریف، اسی حدیث کے تحت حاشیہ نمبر ۸)

حلاوت ایمان سے مراد اس کی لذت اور رغبت ہے اور حلاوت ایمان کا معنی عبادات میں لذت محسوس کرنا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مشقتیں برداشت کرنا ہیں۔

اگر ہم ان باتوں کو ملائیں تو یہ صورت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو حسن ظاہری اور حسن باطنی عطا فرما کر آپ کی محبت دلوں میں جاگزیں کر دی پھر اس محبت کو ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کا ذریعہ بنا دیا اور وہ حلاوت عبادات میں لذت محسوس کرنا اور رضائے الٰہی نیز رسول اکرم ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لئے مشقت برداشت کرنا قرار دیا جس کا منطقی نتیجہ یہ ہو کہ حسن مصطفیٰ ﷺ اسلام اور اسلامی احکام سے کامل وابستگی کا اہم سبب قرار پایا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے اور معمہ بھی حل ہوتا ہے کہ تبلیغ دین اور تقاریر و خطابات کے ذریعے اس قدر لوگ مسلمان نہیں ہوتے جس قدر بزرگان دین کی محبت اور ان کے دامن سے وابستگی کی وجہ سے مسلمان ہوئے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ جس قدر قرب خداوندی زیادہ ہوتا ہے اسی قدر بزرگان میں کشش زیادہ ہوتی ہے اور اسی کشش کی وجہ سے لوگ صوفیاء کرام (حقیقی ولی مراد ہیں رسمی لوگ مراد نہیں) سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔ ظاہری علماء چاہے وہ کتنے ہی بڑے خطیب ہوں اگر وہ روحانی اعتبار سے کمزور ہوں تو ان کی طرف کشش نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ باعمل علماء کے خطابات مؤثر ہوتے ہیں چاہے وہ بظاہر نہایت سادہ ہی ہوں۔

محترم جناب ڈاکٹر سید طاہر رضا بخاری کے مجلہ معارف اولیاء کے ادارتی نوٹ کا اقتباس اس سلسلے میں قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا وہ لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر الیگزینڈر کانن نے اپنی تصنیف ''مخفی اثرات'' میں لکھا ہے کہ زمین کی طرح انسان کی شخصیت سے بھی مقناطیسی لہریں نکلتی ہیں۔ اگر یہ لہریں ایک ایسے آدمی سے خارج ہوں جس کے خیالات اور افعال پاکیزہ ہیں تو دوسروں کے لئے رغبت اور کشش کا باعث ہوتی ہیں۔ جبکہ

تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں پائی جائیں وہ ان کے ذریعے ایمان کی لذت حاصل کرتا ہے

با عمل علماء کے خطابات مؤثر ہوتے ہیں چاہے وہ بظاہر نہایت سادہ ہی ہوں

دوسری صورت میں نفرت کا موجب بنتی ہیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ اس امر کا شاہد ہے کہ بعض لوگوں کی شخصیت میں اس بلا کی کشش ہوتی ہے کہ دنیا پروانوں کی طرح ان کا طواف کرتی ہے شخصیت میں مقناطیسیت محبوبیت اور کشش صرف پاکیزہ عمل، روحانی رفعت، نافع علم اور بے ریا عبادت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جدالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی اولاد کو وادی مکہ میں آباد کیا تو اس کے لئے انہی چیزوں کی بطورخاص دعا کی۔

اول: اے بزرگ و برتر رب! میری اولاد کو ثمار وفواک کی نعمت عطا کر

دوم: اسے شرک کی نجاست سے بچا

سوم: ان کی شخصیت میں کشش پیدا کر کہ دنیا کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں

چونکہ یہ کشش عبادات کے بغیر ناممکن تھی اس لئے اس دعا میں دو دفعہ التجا کی کہ انہیں پابند صلوٰۃ بنا اس مقناطیسی قوت کے عظیم مظہر انبیاء کے بعد ہمارے وہ اولیاء تھے جن کے دم سے ایران کے آتشکدوں، ہند کے بت خانوں اور مصر و روم کے کلیساؤں میں نوائے اذان بلند ہوئی کفر و شرک کی فصیلوں میں شگاف پڑ گئے اور ایک کائنات ان کے قدموں پر جھک گئی۔ بقول اقبال:

نہ تاج و تخت میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے　　جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

(اداریہ مجلّہ معارف اولیاء حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ نمبر جون ۲۰۰۷ ص:۵، مرکز معارف اولیاء دربار حضرت داتا گنج بخش لاہور)

اسی ضمن میں حضرت غوث عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد گرامی اور واقعہ نہایت ایمان افروز اور تائیدی حیثیت کا حامل ہے آپ کے ملفوظات "ابریز شریف" میں ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے مشاہدہ کیا کہ (رسول اکرم ﷺ) کے سینہ مبارک سے نہایت باریک نورانی دھاگے نکلے ہوئے ہیں اور ہر مسلمان کے قلب کے ساتھ ایک دھاگے کا تعلق ہے اور اس تعلق اور ربط کی بنیاد پر وہ اسلام اور ایمان پر ثابت ہے اگر وہ رابطہ منقطع ہو جائے تو ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کشف کا متعدد اہل عصر نے انکار کیا تو سیدی عبدالعزیز دباغ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اچھا مجھے اجازت دو میں تم لوگوں کے دھاگے توڑ دوں اور تمہارے اور جناب رسول اکرم ﷺ کے درمیان حائل ہو جاؤں انہوں نے کہا آپ ضرور یہ کام کریں چنانچہ حضرت غوث عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا تو وہ لوگ اسلام پر قائم نہ رہ سکے، کوئی یہودی، کوئی نصرانی اور کوئی دہریہ ہو گیا۔ العیاذ باللہ (ابریز شریف ص ۱۳۵ مطبوعہ مصر، بحوالہ درۃ التاج فی مسئلۃ المعراج ص:۹)

اس حدیث سے ثابت ہونے والی دوسری بات رسول اکرم ﷺ کا معاہدات کی پابندی کرنا ہے۔ جو نظام مصطفیٰ ﷺ کے حسن و خوبی کی ایک جھلک ہے۔ چنانچہ جب حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام جاگزیں ہو گیا اور انہوں نے عرض کیا کہ میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصد کو نہیں روکتا۔

حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں طیبی کے حوالے سے لکھا کہ یہاں عہد سے مراد عادت جاریہ ہے۔ فرماتے ہیں:

المراد بالعهد ههنا العادة الجارية المتعارفة بين الناس من ان الرسل لا تيعرض لهم بمكروه (حاشیہ ابوداؤد)

یہاں عہد سے مراد اس وقت لوگوں کا عرف ہے یعنی لوگوں کے درمیان یہ بات معروف تھی کہ قاصدوں کو کوئی گزند نہیں پہنچائی جاتی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر عمل کرتے ہوئے ان کو واپس بھیج دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسیلمہ کذاب کے دو نمائندے آئے اور حضور ﷺ کے سامنے اس کا خط پڑھا تو آپ نے ان سے پوچھا تم کیا کہتے ہو انہوں نے کہا جس طرح وہ کہتا ہے ہم بھی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ (سنن ابی داؤد)

یہی وجہ ہے کہ مسیلمہ کذاب کے قاصد ابن نواحہ جس کو حضور ﷺ نے قاصد ہونے کی وجہ سے باوجود اس کے ارتداد کے چھوڑ دیا تھا بعد میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت قرظہ بن کعب کو حکم فرمایا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا اور فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے تمہیں قاصد ہونے کی وجہ سے چھوڑا تھا اور آج تم قاصد نہیں ہو۔ (سنن ابی داؤد، جلد ۲، ص:۳۲)

✿ ✿ ✿

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

کی نکاح کے وقت عمر مبارک کی تحقیق

علامہ سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

مسئلہ یہ ہے کہ جب سیدہ طاہرہ مطہرہ ام المومنین عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا باپ کے گھر سے رخصت ہو کر سید کل علیہ السلام کے کاشانۂ انور میں بطور ام المومنین تشریف لائیں تو آپ کی عمر مبارک کیا تھی؟

مستشرقین نے کچھ حوالہ جات پیش کر کے آپ کی عمر شریف نو سال ثابت کی ہے اور پھر ہادی اعظم ﷺ پر بڑے رکیک حملے کئے ہیں۔

مستشرقین کون ہیں

آپ کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ مستشرقین کون ہیں۔ مستشرقین مغرب کے ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو مشرقی دنیا کے علوم و فنون کے ماہر ہوتے ہیں۔ ان کا نشانہ صرف اور صرف مسلمان تھے کیونکہ مشرق میں یہی ایک زندہ اور جاندار قوم تھی جو مغربی افکار کی یلغار کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ لہذا انہوں نے مسلمانوں کے علوم و فنون پر حملے کئے۔ ان کا خصوصی نشانہ رحمت عالم علیہ السلام کی ذات اقدس تھی۔ جہاں بھی انہیں موقع ملا ہے۔ اس نیر اعظم ﷺ کے خلاف زبان درازی کی انتہا کر دی ہے۔ مستشرقین میں سے کون کون اس مکروہ دھندے میں شامل تھا اور ان کی کتب میں کون سی عبارات ہیں۔ یہ ایک طویل بحث ہے اور ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

> امام بخاری کی علمی مساعی قابل قدر ہیں اور صحاح ستہ میں ان کی کتاب کو زمانی اولیت حاصل ہے

سیدہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ منگنی کے وقت وہ چھ سال کی تھیں اور رخصتی کے وقت ان کی عمر صرف نو سال تھی۔ اس بات کو انہوں نے ثابت کرنے کے لئے بڑے جتن کئے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے نزدیک قرآن حکیم کے بعد سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری ہے اور یہ عمر بخاری میں لکھی ہوئی ہے لہذا یہ مستند اور معتبر ہے۔

امام بخاری کا مقام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی علمی مساعی قابل قدر ہیں، وہ فن حدیث کے مسلم امام ہیں۔ صحاح ستہ میں ان کی کتاب کو زمانی اولیت بھی حاصل ہے اور صحت کا معیار بھی سب سے اعلیٰ ہے مگر ہمیں دو باتوں پر لازماً غور کرنا ہوگا:

۱۔ امام صاحب کے دور میں چھاپہ خانے نہیں تھے۔ کوئی کتاب بھی مطبوعہ نہیں تھی۔ سب کچھ قلمی تھا۔ قلمی کتب میں مختلف نسخوں میں سب کوششوں کے باوجود کہیں نہ کہیں فرق رہ جاتا ہے اگر کہیں ایسی کمی بیشی ہو جائے تو اس کا حل کیا ہو؟

۲۔ حل یہ ہے کہ بخاری کے اندر سے شہادت لی جائے کہ یہاں جو کچھ تحریر ہے کیا کتاب کے کسی اور مقام سے اس کی تائید یا تردید ہو رہی ہے یا نہیں۔

مستشرقین کی پیش کردہ مذکورہ بالا بات کی بخاری کی ایک اور روایت تردید کر دیتی ہے لہذا قواعد کے مطابق دونوں روایات میں تطبیق ضروری ہے یا دلائل سے ایک کا انکار و تردید ضروری ہے۔

یہ تردید بخاری میں کہاں ہے۔ آپ بخاری کی دوسری جلد کا صفحہ ۲۲،۲۳ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بخاری کا وہ حصہ ہے۔ جس میں قرآن حکیم کی تفسیر احادیث کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔ سورۃ القمر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اسے اپنے والد گرامی اور والدہ ماجدہ سے سن کر یاد کر لیا تھا۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ دوڑتی بھاگتی پھر رہی تھیں اور یہ

سورہ پڑھ رہی تھیں۔ حسب اقوال مفسرین اس سورہ کا نزول ۵ نبوت میں ہوا۔ اس وقت ام المومنین کی عمر آٹھ، نو سال ہونی چاہئے۔ اس طرح آپ کی عمر مبارک رخصتی کے وقت سترہ، اٹھارہ سال بنتی ہے۔

بخاری کے اندر سے حوالہ مل گیا کہ نو سال والی بات صحیح نہیں ہے۔ اب قواعد کے مطابق تو ہمیں نو سال والی روایت کو ساقط کر دینا چاہئے کیونکہ وہ درایت کے بھی خلاف ہے اور انسانی عمل کے بھی خلاف ہے کہ نو سال کی بچیوں کی شادی نہیں کی جاتی۔ علامہ سید سلمان ندوی کے ذکر میں تیسری حدیث آرہی ہے۔

رزاق الخیری نے لکھا کہ رخصتی کے وقت ام المؤمنین کی عمر پندرہ یا سولہ سال تھی

امام بخاری کا دفاع

مگر مجھے اپنے عظیم محدث حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع بھی کرنا ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ وہ دور مطبع کا نہیں تھا، کتابیں قلمی تھیں، کسی ناقل نے نقل کرتے ہوئے عشرہ کا لفظ چھوڑ دیا اور تسعۃ کا لفظ لکھ دیا۔ اب تسعۃ عشر (انیس) تسعۃ (نو) رہ گیا۔ آنے والوں نے اسی کو نقل کرنا شروع کر دیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت امام سے ہی تسعۃ (نو) کے بعد عشرہ کا لفظ رہ گیا ہو۔ دونوں سہو کی صورتیں ہیں۔ حضرت امام کو نظر ثانی کا موقع نہ مل سکا ہو۔ جس کی شہادات بخاری میں موجود ہیں انہوں نے کئی مقامات پر ذیلی عنوانات کے لئے جگہ چھوڑ دی مگر وہ عنوانات پھر لگ نہیں سکے۔ کئی جگہ عنوان تو ہے مگر عنوان سے متعلق حدیث موجود نہیں ہے۔ یہ اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت امام اپنی عظیم کتاب پر نظر ثانی نہیں فرما سکے۔

یہاں تک تو سہو کی بات تھی۔ اب ایک اور انداز سے بھی غور فرمائیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی دشمن اسلام نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے عمداً یہ حرکت کی ہو تاکہ نبی رحمت ﷺ کے خلاف اس شادی کو بطور ہتھیار استعمال کیا جا سکے اور کہا جا سکے۔ دیکھو جی! مسلمانوں کے نبی نے ایک نو سال کی بچی کو بطور بیوی گھر میں رکھا پھر اس خاص روایت کے سہارے مسلمانوں کے خلاف وہ طوفان بدتمیزی اٹھایا جو آج تک تھمنے میں نہیں آرہا اور اس آڑ میں مسلمانوں کے خلاف الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔

جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے اس سے دونوں روایات میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔ عمر مبارک شادی کے وقت انیس سال بنتی ہے اور منگنی کے وقت سولہ سال ہوتی ہے۔ اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، یہی دیگر آیات و روایات کے مطابق بھی ہے۔ جن کا ذکر تفصیل سے ہم آگے چل کر کرنے والے ہیں۔

الحمدللہ اس تحقیق سے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر وارد ہونے والے اعتراض کا بھی قلع قمع ہو گیا۔ آگے بڑھنے سے پہلے آپ امام بخاری کی روایت فرمودہ دونوں روایات کی عربی عبارت اور ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ عن عائشۃ ان النبی ﷺ تزوجها وهی بنت ست سنین وادخلت علیه وهی بنت تسع ومکثت عنده تسعا (بخاری ص ۷۷۱ ج ۲، اصح المطابع باب النکاح الرجل ولده الصغار۔ نیز ص ۵۵۳ ج ۱۔ دو احادیث عن عائشہ رضی اللہ عنہا باب تزویج النبی ﷺ عائشہ وقدمہ المدینہ وبنائہ بہا)

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے نکاح فرمایا تو وہ چھ سال کی تھیں اور ان کی رخصتی ہوئی تو وہ نو سال کی تھیں اور وہ سید کل علیہ السلام کے پاس نو سال رہیں۔

اگلی حدیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

۲۔ قال اخبرنی یوسف بن ماهک قال انی عند عائشه ام الموء منین قالت لقد انزل علی محمد ﷺ بکة وانی لجاریه العب بل الساعة موعدهم والساعة ادهیٰ وامر (ایضاً بخاری ص ۷۴۷، ۷۲۳ ج ۲)

ترجمہ: یوسف بن ماہک راوی ہیں کہ میں سیدہ عائشہ ام المومنین سلام اللہ علیہا کے پاس تھا۔ آپ فرمانے لگیں کہ میں ایک نوخیز لڑکی تھی کھیلتی پھرتی تھی کہ رحمت عالم ﷺ پر یہ آیت اتری" بلکہ قیامت ان کی وعدہ گاہ ہے اور قیامت بڑی سخت اور کڑوی ہے" یاد رہے کہ یہ آیت سورہ قمر کی ہے اور سورت کا نزول ۵ نبوت ہے اس وقت سیدہ حدیثۃ السن ہیں جس کا ترجمہ ہم نے نوخیز لڑکی کیا ہے۔ غور فرمائیے تاکہ مسئلہ سمجھنے میں دقت نہ رہے۔ نوخیز لڑکی تو آٹھ نو سال سے کم نہیں ہونا چاہیے۔

ام المومنین کی پہلی منگنی

حضرت ام المومنین کی پہلی منگنی جبیر بن مطعم بن عدی سے ہو چکی تھی۔ اکثر علاقوں میں یہ رواج رہا ہے کہ شادی سے بہت پہلے منگنی کر دیا کرتے تھے۔ پاکستانیوں میں آج بھی یہ رواج ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے تو مکہ کی فضائیں ان کے لئے تنگ ہو گئیں ۵ نبوت میں انہوں نے ہجرت کا پروگرام بنایا کہ باہر جا کر آزادی سے اپنے دین پر عمل پیرا ہو سکیں اب وہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے سسرال میں تشریف لے گئے خواہش یہ تھی کہ بیٹی کا نکاح کر کے دے جاؤں تاکہ منگنی سے جو نسبت قائم ہوئی ہے وہ پختہ ہو جائے۔

وہاں ہونے والے داماد کی ماں سے تفصیلی بات کی فرمایا میں مکہ چھوڑ کر جا رہا ہوں، چاہتا ہوں کہ بیٹی کا نکاح کر کے جاؤں میری نسبت کے ساتھ آپ لوگوں کی نسبت بھی شامل ہو جائے تو بچی کا تحفظ ہو جائے گا اور میں مطمئن ہو جاؤں گا۔ اس گھر کی مالکہ بولی یہ ممکن نہیں ہے آپ نے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ دیا ہے اور صابی ہو گئے ہو۔ یاد رہے کہ مکہ کے مشرک مسلمانوں کو صابی (مرتد) کہا کرتے تھے، آپ ہمارے بیٹے کو بھی صابی بنا دیں گے لہذا ہم اس رشتے کے حق میں نہیں ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صاحب خانہ کی طرف توجہ فرمائی۔ پوچھا آپ نے بیگم صاحبہ کی بات سنی ہے اس نے جواباً کہا سچ ہی تو کہہ رہی ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر رشتے کا میری طرف سے جواب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ تمہیں اسلام پر اعتراض ہے تو میں کسی رشتے کی خاطر اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ (طبری ص ۴۹۳، ج ۱، طبقات ابن سعد ص ۳۹ ج ۸)

یہ روایت بھی بتا رہی ہے کہ سیدہ کی عمر اس وقت آٹھ نو سال کی ہوگی جس کا ذکر ہم سورۃ القمر کے ضمن میں کر آئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی سرکار علیہ السلام سے ہوئی اس کے لئے اس پس منظر کو بھی آپ ذہن میں رکھیں تاکہ آگے چل کر بات پوری طرح سمجھ سکیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حسب پروگرام مکہ سے چل نکلے۔ راستے پر ابن الدغنہ قبیلہ قارہ سے ملاقات ہوئی اس نے کہا آپ جیسے اچھے لوگوں کو مکہ نہیں چھوڑنا چاہیئے، کافروں سے میں بات کر لوں گا آپ واپس تشریف لے آئیں۔

اگر رخصتی کے وقت عمر نو سال تھی تو ۵ نبوت میں تو ابھی انہیں اس دنیا میں ہی نہیں ہونا چاہیئے پھر یہ منگنی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خواہش کہ نکاح ہو جائے اس کا کیا مطلب لیا جائے؟ لہذا روایت میں یا تو سہو ہے یا پھر کسی بد باطن کی شرارت ہے۔

کچھ تاریخی حوالے

مندرجہ ذیل حوالہ جات بھی ملاحظہ فرماتے جائیں اگرچہ ان سے ۱۹ سال کی عمر ثابت نہیں ہوتی مگر نو سال کی عمر تو غلط ثابت ہوتی ہے اور ہمارا مدعا نو سال کی عمر میں شادی کو غلط قرار دینا ہے۔

۱۔ علامہ معین الدین ندوی نے تاریخ اسلام کی پہلی جلد میں آپ کی عمر تیرہ سال بتائی ہے انہوں نے جو حساب لگایا ہے اسے ہم صحیح نہیں سمجھتے مگر نو پر چار کی زیادتی تو ہو گئی اور عمر بلوغ کی حدوں کو چھونے لگ گئی لہذا ان کی تحریر سے بھی ایک حد تک ہماری تائید ہو گئی کہ عمر نو سال نہ رہی۔

۲۔ علامہ قسطلانی بھی شرح بخاری میں تیرہ چودہ سال بتاتے ہیں۔

۳۔ جناب رازق الخیری نے "مسلمانوں کی مائیں" نامی کتاب ازواج مطہرات پر لکھی ہے۔ وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ رخصتی کے وقت ان کی عمر پندرہ اور سولہ سال کے درمیان تھی۔ یہ علامہ ندوی سے دو تین سال اور آگے بڑھ گئے اور بلوغ کی عمر بتائی، ان تینوں روایات سے ہمارے دعوے کی تائید ہو گئی کہ عمر نو سال نہیں تھی کیونکہ یہ عمر شادی کی نہیں ہوتی۔

۴۔ اس سلسلہ میں ہم ایک تائیدی حدیث بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔ صحاح ستہ میں شامل کتاب نسائی شریف میں ایک حدیث موجود ہے۔ اسے ساتھ ملائیں تو بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا سید کل علیہ السلام سے رشتہ مانگا۔ حضور کریم ﷺ نے فرمایا۔ عمر کا زیادہ فرق ہے لہذا میں رشتہ نہیں دے سکتا۔ ایک طرف تو آپ یہ فرمائیں اور دوسری طرف نو سال کی بچی سے خود شادی فرمائیں یہ قرین قیاس نہیں ہے۔ مجھے نسائی کی اس روایت سے اختلاف ہے۔ مجھے اس پر علمی انداز سے جرح کرنے کا حق ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے لئے رشتہ نہیں مانگا بلکہ دونوں حضرات نے سیدنا حیدر کرم اللہ وجہہ الشریف کے لئے رشتہ طلب کیا تھا۔

حضور حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود رشتہ نہیں مانگ سکتے تھے کیونکہ انہوں نے سرکار علیہ السلام کی شفقت بھری گود میں تربیت پائی تھی۔ بخاری شریف سمیت مختلف کتب حدیث میں بہت سے واقعات مذکور ہیں کہ حضور کرار رضی اللہ عنہ نے خود عرض نہیں کی۔ بات کسی صحابی سے دریافت کرائی اور فرمایا کہ مجھے خود دریافت کرتے شرم آتی ہے (رحماء بینھم ص ۱۱۵ از مولانا محمد صالح)

اب ذرا ظاہری دنیا کا ماحول دیکھیں۔ رشتہ دینے سے پہلے دیکھا جاتا ہے کہ داماد کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ گھر کو اچھی طرح چلا سکتا ہے؟ اگر دنیا کے اس معیار کو دیکھیں تو سیدنا حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو خود کھانا رحمت عالم ﷺ کے پاس کھاتے ہیں۔ جو روٹی خود سرکار کریم ﷺ کے گھر سے کھائے، کپڑے وہ پہنائیں، بستر وہ دیں۔ وہ اس گھر سے ظاہری دنیا کے حساب سے رشتہ کیسے مانگیں مگر مشیت ایزدی ہے کہ رشتہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہو۔ اہل بیت نبوت کا گلشن فاطمہ علیہا السلام کے گھر کھلنا ہے لہٰذا ان کی شادی انہی سے ہو سکتی ہے جو سید کل علیہ السلام کا سب سے قریبی رشتہ دار ہو اور واضح بات ہے کہ یہ اعزاز و مرتبہ صرف سیدنا حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہے لہٰذا صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے انہی کے لئے رشتہ کی درخواست پیش کی ہوگی۔ راوی نے بات بیان کرنے میں لغزش کھائی ہے۔

۵۔ طبرانی جیسے مشہور اور معتبر مؤرخ نے جس انداز سے واقعہ بیان کیا ہے اس سے ہماری تائید ہوتی ہے انہوں نے اپنی کتاب کی پہلی جلد کے صفحہ نمبر ۴۹۳ پر حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پہلی منگنی والا واقعہ لکھا ہے۔ وہ ۵ نبوت ہی قرار دیتے ہیں۔ اس طرح سیدہ کی عمر رخصتی کے وقت اٹھارہ انیس سال بنتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ تاریخی حیثیت سے علامہ طبرانی کا مقام باقی حضرات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

ایک تاریخی مثال:

ہم ابھی بتا رہے تھے کہ دور اول میں کچھ بد طینت لوگوں نے کتابوں میں تحریف کر کے اسلام کے خلاف کیا کیا خرابیاں کیں۔ ایسی ہی ایک مثال مشہور مؤرخ مسعودی کے ہاں ملتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اس کی کتاب مشہور و معروف ہے "مروج الذہب" ص ۳۴۱ ج ۲ مطبوعہ مصر علامہ مسعودی۔ مگر یہ ایک مکتبہ فکر کی ترجمان ہے۔ اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جناب عبداللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی عمر چھ سال تھی۔

سب مؤرخ جانتے ہیں کہ ان کی عمر چھہتر سال تھی۔ ان کی شادی سیدنا امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ یہ خود سیدہ رقیہ بنت خاتم النبیین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ بقول علامہ ابن تیمیہ یہ سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام کے استاد ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے دور کے جید عالم تھے (منہاج السنۃ ص ۱۲۴ ج ۲)

ان کی اولاد بڑی تعداد میں پاکستان میں موجود ہے۔ پنجاب کے مردم خیز شہر بھیرہ کے مقتیان عالی مقام ان کی اولاد ہیں۔ حضرت زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی بیگم صاحبہ بی بی طاہرہ مغفورہ انہی حضرت عبداللہ کی اولاد سے تھیں۔

آزاد کشمیر کے دار الخلافہ مظفر آباد کے نواب مظفر خان مرحوم متوفی ۱۶۵۲ بھی حضرت عبداللہ بن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہیں۔ مراکش میں بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد پہنچتی ہے اور وہاں ان کی ملی و ملکی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ اردو ڈائجسٹ اگست ۱۹۷۹ء ص ۱۱۴ مضمون نگار: جناب عبدالقادر خان۔

مسعودی کہتا ہے کہ وہ چھ سال کی عمر میں وصال پا گئے۔ واضح بات ہے کہ مسعودی نے ستۃ (چھ) باقی رکھا اور سبعون (ستر) کھا گیا۔ کیا یہ سہو ہے بھول ہے؟ یا وہ اپنے عقائد و نظریات کے ہاتھوں مجبور ہو کر جان بوجھ کر یہ زہر گھول رہا ہے اور لاتعداد عثمانیوں کے شجرۂ نسب کو مخدوش کر رہا ہے اور اس طرح نواسۂ رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ بن عثمان و رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کو چھ سال کی عمر میں دنیا سے رخصت کر کے انہیں بے اولاد ثابت کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے دیکھا اس مؤرخ نے کتنی بددیانتی کی مگر لفظ تو ایک سبعون (ستر) کاٹا ہے۔ اسی طرح مسعودی جیسے کسی اور نے عشر (دس) کا لفظ کاٹ دیا اور پیچھے نورہ گیا۔

مجھے امید ہے کہ حاضرین بالتمکین کو عموماً اور محفل میں حاضر بچیوں اور بہنوں کو میری بات سمجھ آ گئی ہوگی۔ اب ایک اور انداز سے سوچتے ہیں کہ اس دور میں منگنی کے روایات کی درد رواجات کیسی تھیں۔

سیدہ کی عمر رخصتی کے وقت نو سال نہیں تھی

منگنی کا انداز

پرانے دور میں اسلام سے پہلے عربوں کے ہاں منگنی کا ایک عمومی رواج تھا وہ براہ راست رشتہ نہیں مانگتے تھے۔ لڑکے والوں کی طرف سے کوئی خاتون لڑکی والوں کے گھر جاتی، ان سے گفتگو کرتی۔ لڑکے کے بارہ تفصیلات مہیا کرتی، اس کی مالی حالت واضع کرتی، اس کی عمر کے بارے میں بتاتی، اس کی تعلیم کا ذکر کرتی، جاہلی روایات کا وہ کس حدتک علمبردار ہیں یہ بھی بتاتی، اس کی شجاعت کا ذکر ہوتا، اس کی عادات و اطوار کی وضاحت ہوتی، وہ خاتون بڑے نپے تلے انداز میں بڑی فصیح و بلیغ عربی میں سب حالات کی وضاحت کرتی اور ساتھ ہی ساتھ اس لڑکی کو بھی دیکھتی رہتی جس کا رشتہ مطلوب ہوتا واپس جا کر وہ سارے حالات لڑکے کے گھر والوں کو بتاتی۔ وہ اس کے بیان سے لڑکی والوں کی معاشرت اور انداز زندگی کا بھی اندازہ لگاتے اور ساتھ ہی ساتھ اس کی شکل وصورت اور چال ڈھال کا بھی تخمینہ لگا لیتے۔

اب اسی انداز سے لڑکی والے اپنے کسی رشتہ دار کو بھیجتے یا کوئی ایسی خاتون ان کی طرف سے جاتی اور لڑکے والوں کے گھر جا کر ان کے حالات کا جائزہ لیتی۔ لڑکے کو دیکھا جاتا اس کی مالی، تعلیمی، اور معاشرتی حالت کو جانچا جاتا، حالات کا جائزہ لے کر واپس لڑکی والوں کو اطلاع کی جاتی تھی۔ اب اگر دونوں گھروں نے پسندیدگی کا اظہار کر دیا تو رشتہ طے ہو جاتا ورنہ دونوں گھر کوئی اور رشتہ تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔

قدیم عربوں کی روایات پر مشتمل کتابوں میں یہی انداز ملتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایک پانچ چھ سال کی بچی کے کوائف منگنی کے وقت کیا بیان ہو سکتے ہیں، کون بتا سکتا ہے کہ اس کی شکل وصورت کیا ہے اس کی عادات واطوار کیسے ہیں یہ تو تبھی ہوگا جب وہ جوان ہوگی۔ (عینی شرح بخاری بلوغ الادب، تاریخ العرب قبل السلام)

اس وضاحت سے پتہ چلا کہ عرب اپنے رواج کے مطابق بالغ ہونے سے پہلے لڑکی کی شادی نہیں کرتے تھے۔

ہم نے اس موضوع پر بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی کی ہے ہمیں کہیں کوئی ایسی مثال نہیں ملی کہ کسی معصوم بچی کی رخصتی کر دی گئی ہو ہاں یہ ہوتا رہا ہے کہ نکاح پہلے کر دیا گیا اور رخصتی بالغ ہونے کے بعد ہوئی۔

ہمیں اگر سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کے علاوہ کوئی اور مثال نہیں ملتی تو پھر واضح بات ہے کہ سیدہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی بھی بالغ ہونے سے پہلے نہیں ہوئی کیونکہ نہ تو عربوں کے رواج میں اس کی گنجائش ہے اور نہ ہی قرآن وسنت اس کی شہادت دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے اس پر علمی گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں اور آگے چل کر قرآن حکیم سے یہ ثابت کرنے کی بھر پور کوشش کریں گے کہ بالغ ہونے سے پہلے رخصتی نہیں ہونی چاہئیے۔

یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ مخالفین نے رحمت عالم نور مجسم ﷺ پر کیچڑ اچھالنے کے لئے سازش کے تحت یہ ساری کہانی گھڑی ہے اور جس حدیث کا سہارا لے کر یہ ڈرامہ بنایا ہے یا تو اس میں دیانت کا خون کر کے ایک لفظ جان بوجھ کر حذف کر دیا ہے یا پھر کسی کاتب کی سہو کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی سعیٔ نامشکوری ہے۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ سیدہ مطہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہماری علمی تحقیق کے مطابق رخصتی کے وقت ۱۹ سال سے کم نہیں تھیں۔ ہمیں مذہب کے فقہی ماہرین سے بھی اس سلسلے میں رائے لے لینی چاہئے کہ کیا بلوغ سے پہلے رخصتی کر دی جائے یا نہیں؟

دو عظیم فقہاء کی رائے

قدیم علماء میں سے دو نابغہ روزگار آئمہ نے جو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہم عصر ہیں جو رائے دی ہیں وہ بھی آپ ملاحظہ فرمائیں تا کہ مسئلہ کی ہمہ پہلو وضاحت ہو سکے۔ یہ حضرات علامہ ابن شبرمہ اور علامہ ابو بکر اصم ہیں۔

دونوں حضرات کا فتویٰ ہے کہ لڑکا اور لڑکی اگر نابالغ ہیں تو ان کا سرے سے نکاح ہی نہیں ہوتا آپ کو معلوم ہے کہ باقی فقہاء نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں مگر یہ دونوں حضرات تو نکاح کو ہی جائز نہیں سمجھتے۔ رخصتی تو دور کی بات ہے۔ یہ عظیم علماء میں شمار ہوتے ہیں لہٰذا ان کا حوالہ بھی دے رہا ہوں اور ان کا استدلال بھی بیان کر رہا ہوں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

یقول ابن شبرمه و ابو بکر الاصم انه لا یتزوج الصغیر والصغیرة حتی یبلغا لقوله تعالیٰ حتی اذا بلغوا النکاح فلو جاز التزوج قبل البلوغ لم یکن لهذا فائدة (مبسوط سرخسی ص ۱۹۳، ج ۴، مصری)

ابن کثیر کے نزدیک رخصتی کے وقت سیدہ کی عمر انیس سال تھی

ترجمہ: ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم کا قول ہے کہ چھوٹے بچے اور چھوٹی بچی کی شادی بالغ ہونے سے پہلے نہ کی جائے کیونکہ اللہ کریم کا ارشاد ہے کہ جب وہ نکاح کو پہنچیں (نکاح کو وہ بلوغ کے بعد پہنچیں گے) اب اگر بالغ ہونے سے پہلے نکاح ہو جائے تو قرآن کے ان الفاظ کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

دونوں حضرات کی دلیل ذرا اچھی طرح سمجھ لیں ان کے ارشاد کے مطابق نکاح کی عمر تک پہنچیں گے تو بالغ ہوں گے۔ اس سے پہلے نکاح نہیں ہوگا۔ پتہ چلا کہ بلوغ سے پہلے نکاح نہیں ہوتا عموماً یہ حضرات بلوغ کی عمر مرد کے لئے اٹھارہ سال اور عورت کے لئے سولہ سال قرار دیتے ہیں۔ ان دونوں حضرات سے یہ حوالہ امام جصاص رازی اپنی شہرۂ آفاق کتاب "احکام القرآن" (ص ۱۴، ج ۲) پر یوں نقل فرماتے ہیں:

عن ابن شبرمة ان تزويج الآباء على الصغار لا يجوز وهو مذهب الاصم

ترجمہ: ابن شبرمہ سے منقول ہے کہ باپ بھی چھوٹے بچوں کا نکاح کرے تو یہ ناجائز ہوگا۔ اصم کا بھی یہی مذہب ہے۔

مزید تجسس سے کئی اور کتب سے بھی یہ حوالہ مل سکتا ہے مگر دو عظیم آئمہ (امام سرخسی رضی اللہ عنہ اور امام جصاص رضی اللہ عنہ) کے حوالے کے بعد مزید ضرورت نہیں رہتی۔ باقی آئمہ نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں البتہ رخصتی بلوغ کے بعد ہوگی مگر یہ دونوں حضرات ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم تو سرے سے نکاح کو ہی جائز قرار نہیں دیتے۔

سید سلیمان ندوی کی تحقیق

علامہ سید سلیمان ندوی برصغیر کے ممتاز عالم دین اور سیرت نگار ہیں۔ آپ نے بھی اس سلسلے میں اپنے انداز سے تحقیق فرمائی ہے۔ علامہ صاحب کی کتاب کا نام "سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا" ہے ان کا خیال ہے کہ سیدہ کی ولادت ۵ نبوت ہے۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سیدہ کے اپنے بیان کے مطابق وہ اس وقت جاریۃ (نوخیز لڑکی) تھیں تو کیا ولادت پاتے ہی وہ نوخیز لڑکی بن گئی تھیں۔ اسی دور میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی منگنی توڑی تھی یعنی ولادت کے وقت یا اس سے پہلے منگنی ہوگئی تھی اور پھر اسی وقت منگنی توڑ بھی دی گئی۔

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حضرت علامہ کو اصرار ہے کہ سیدہ عالیہ کی عمر نکاح کے وقت چھ سال تھی اور جو لوگ نکاح کے وقت سولہ سال قرار دیتے ہیں ان کی یہ کوشش تمام تر بے سود اور ان کا یہ دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ (سیرت عائشہ: ص ۱۲)

وہ ساری زندگی بقول سید صاحب مزار اقدس کی مجاور رہتی ہیں۔ دور معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری حصے میں ان کی زندگی کا بھی اختتام ہوتا ہے۔ اس وقت ان کی عمر مبارک سڑسٹھ (۶۷) سال ہوئی ہے۔ یہ ۵۸ھ کا رمضان ہے۔ ۱۷ رمضان بمطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء نماز وتر کے بعد وہ وفات پاتی ہیں۔ (ملخصاً از سیرت عائشہ، مطبوعہ مصلع معارف اعظم گڑھ)

اندازہ فرمایئے عمر ۶۷ سال ہے چالیس سال بیوگی میں گذرے ہیں۔ پیچھے ستائیس سال رہ جاتے ہیں نو سال سید کل ﷺ کے ساتھ گذارے ہیں تو پھر حضور ﷺ کے ہاں شادی کے وقت آتے ہوئے ان کی عمر مبارک اٹھارہ سال بنتی ہے۔ اپنی اس تحقیق کے باوجود حضرت علامہ بضد ہیں کہ سیدہ کی عمر رخصتی کے وقت نو سال تھی۔ اب کس بات کو صحیح مانا جائے؟ صحیح یہی ہے کہ عمر مبارک اٹھارہ، انیس سال تھی جو بالواسطہ علامہ ندوی نے بھی مان لی ہے۔

سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کی ایک فضیلت حضرت ندوی نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ ان کے گھر میں کبھی کفر و شرک کے الفاظ ان کے کانوں میں نہیں پڑے تھے یعنی انہوں نے ہوش سنبھالا تو والدین مسلمان تھے اب یہ ضروری ہے کہ ایمان صدیق اکبر اور ان کی بیگم حضرت ام رومان کے اسلام لانے کے وقت وہ کم از کم چار پانچ سال کی ہوں۔ ہجرت کے وقت سترہ اٹھارہ کے پیٹے میں ہوں۔ اور شادی (رخصتی) کے وقت انیس کے لگ بھگ ہوں۔

علامہ ندوی نے آپ کے قدیم الاسلام ہونے کے سلسلے میں بخاری کی ہی ایک حدیث پیش فرمائی ہے۔ ہم نے پیچھے وعدہ کیا تھا کہ اس موضوع پر بخاری شریف کی تیسری حدیث کا ذکر سید سلیمان ندوی کی تحقیق کے ضمن میں کریں گے تو لیجیے اوعدے کا ایفا کرتے ہیں۔ یہ طویل حدیث ہے جو بخاری کے صفحہ ۵۵۲ تا ۵۵۵ ج ۱ تک پھیلی ہوئی ہے اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سید کل ﷺ کے سفر ہجرت کی تفصیلات ارشاد فرماتی ہیں۔

حدیث کے چند ابتدائی جملے محترم سید سلیمان ندوی نے ترجمہ فرمائے ہیں ہم بھی وہی حصہ اپنے ترجمے کے ساتھ پیش خدمت کر رہے ہیں:

قال ابن شهاب اخبرنی عروة بن الزبير ان عائشة زوج النبی ﷺ قالت لم اعقل ابوی قط الا وهما يدينان الدين ولا يمر علينا يوم الا ياتينا فيه رسول الله ﷺ طرفی النهار بكرة و عشية فلما ابتلی المسلمون خرج ابو بكر مهاجر نحوارض الحبشة (بخاری ص ۵۵۲، ج ا صحیح المطابع دہلی)

ترجمہ: ابن شہاب نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر (حضرت اسماء اصح ابی بکر کے صاحبزادے اور حضرت عائشہ کے سگے بھانجے) نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین کی آغوش میں پایا۔ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ سید کل ﷺ صبح شام کو ہمارے ہاں تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب مسلمانوں پر آزمائشیں شروع ہوئیں تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سرزمین حبشہ کی ہجرت کے ارادے سے مکہ سے نکلے۔

طبری شیعہ ہیں تو فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ وہ مذہبی اختلافی مسئلہ بیان نہیں کر رہے

ہوش سنبھالنے کے لئے چار پانچ سال کا عرصہ تو لازمی ہے جب سیدہ رضی اللہ عنہا کے والدین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ام رومان رضی اللہ عنہا اسلام لاتے ہیں تو سیدہ رضی اللہ عنہا باہوش تھیں۔ اب انہیں رحمتِ عالم ﷺ کی ہجرت کے وقت سترہ اٹھارہ سال کا ہونا چاہئے اور رخصتی کے وقت عمر انیس سال ہونا ضروری ہے۔

اب بخاری شریف کے اندر سے ہی دوسری شہادت مل گئی کہ سیدہ کی عمر رخصتی کے وقت نو سال نہیں تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سہواً عشر (دس) کا لفظ رہ گیا ہے یا کسی بد اصل کی یہ بدنیتی ہے۔ حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر محبوبِ خدا ﷺ صبح شام تشریف لاتے تھے محبت کی فراوانی تھی عشق کی درفشانی تھی اور تعلقات کی گوہر بانی تھی، سیدہ اگر کم عمر ہوتیں تو پتہ نہ ہوتا۔

ایک اور شہادت

علامہ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت میں السابقون الاولون کے عنوان سے ان حضرات کی ایک فہرست دی ہے۔ جو سب سے پہلے اسلام کی آغوش رحمت میں آئے۔ یہ حضرات دعوتِ صدیق کو لبیک کہتے ہوئے اسلام کی پناہ میں آئے تھے۔ سترہ حضرات کے نام کے بعد تین خواتین کے نام بھی مذکور ہیں۔

فاطمة اخت عمر بن الخطاب واسماء بنت ابی بكر وعائشة بنت ابی بكر وهی يومئذ صغيرة (سیرت ابن ہشام ج۔ا)

ترجمہ: فاطمہ حضرت عمر بن خطاب کی بہن، اسماء حضرت ابو بکر کی صاحبزادی اور عائشہ حضرت ابو بکر کی صاحبزادی، ان دونوں میں ابھی آپ چھوٹی تھیں۔

سیدہ کا نمبر بیسواں ہے، یہ سنہ نبوت ہے۔

چھوٹا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شیرخوار تھیں چونکہ وہ اسلام لائی تھیں اور اسلام لانے کے لئے باہوش ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے کم از کم چار پانچ سال لازم ہے۔ آپ اندازہ فرمالیں کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر لازماً سترہ اٹھارہ سال ہونی چاہئے تو پھر شادی کے وقت انیس سال ہوگی۔ الحمد للہ حق سامنے آگیا۔

تاکید مزید

علامہ ابو الفدا اسماعیل ابن کثیر نے بھی اپنی شہرۂ آفاق کتاب السیرۃ النبویہ میں ان حضرات کی فہرست دی ہے اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نمبر اٹھارہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے دونوں بھائیوں حضرت قدامہ و عبداللہ رضی اللہ عنہما کے نام رہ گئے ہیں۔ علامہ ابن کثیر نے یہ تعداد علامہ ابن اسحاق کے حوالے سے دی ہے۔

شہرۂ آفاق محدث علامہ عبدالرحمان سہیلی نے اپنی مایہ ناز کتاب الروض الانف ص ۲۳۔ ج ۳ پر بھی یہ تعداد اسی انداز سے نقل فرمائی ہے۔

چار حضرات۔۔۔ علامہ ابن ہشام، علامہ ابن اسحاق، علامہ ابن کثیر اور علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے بیک زبان تصدیق فرمادی ہے کہ سیدہ طاہرہ عائشہ سلام اللہ علیہا بیسویں نمبر پر اسلام لائیں وہ سنہ کم نبوت میں اسلام کو راہِ حیات بنا چکی تھیں چونکہ اسلام لانے والے چار پانچ یا اس سے کم و بیش گروپوں کی شکل میں اسلام لاتے تھے اور سیدہ عمر میں چھوٹی تھیں لہٰذا ان کا نام آخر میں آگیا ہو سکتا ہے ان کا نمبر پہلے ہو۔

آپ نے ایک اور انداز سے بھی یہ بات ملاحظہ فرمائی کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام لانے کے بعد اسلام کی آبیاری میں لگ گئے اور عظیم صحابہ وصحابیات آپ کی مساعی جمیلہ سے عقل وشعور کے ساتھ دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

ان مورخین وسیرت نگاروں نے بحیثیت مجموعی جس انداز سے بات کی ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک رخصتی کے وقت اٹھارہ سال سے کم نہیں تھی۔ اس سے سال زائد ہو سکتی ہے۔

بحث آگے بڑھانے سے پہلے ایک دفعہ پھر یہ عرض کرنا ہے کہ بخاری شریف کے اندر سے ہی دو ایسی شہادتیں مل گئیں جن سے پتہ چل گیا کہ نو سال والی بات صحیح نہیں ہے لہٰذا بخاری کے حوالے سے نو سال عمر قرار دے کر غیروں کو اسلام پر حملہ کی اجازت نہیں دینی چاہیئے۔

قرآن سے غلط استدلال

قرآن حکیم کی ایک آیت مقدسہ سے بھی کچھ حضرات نے استدلال کرتے ہوئے نابالغ بچی کی شادی کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے ڈانڈے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی سے ملا کر انہیں نابالغ نو سال کی بچی قرار دیا ہے۔ آیئے! آیت مقدسہ اور اس کا ترجمہ پہلے پڑھ لیں۔ پھر اس پر علمی گفتگو کریں۔

والائی یئسن من المحیض ۔ من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر واللائی لم یحضن و اولات الاحمال ان یضعن حملھن (الطلاق ۴، پارہ ۲۸)

ترجمہ: تمہاری عورتوں میں سے جنہیں حیض کی اُمید نہیں رہی اگر تمہیں کچھ شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے (اسی طرح ان کی بھی عدت تین مہینے ہے) جنہیں اب حیض نہیں آیا ہے اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ وضع حمل کر لیں۔

میری بہنیں اور بیٹیاں اچھی طرح غور کریں کیونکہ عدت کے مسائل اکثر پیش آتے ہیں جن کا جاننا ضروری ہے۔ اس آیت میں تین قسم کی خواتین کی عدتوں کا ذکر ہے۔

۱۔ وہ خواتین جو سن یاس (مایوسی) کو پہنچ چکی ہیں یعنی انہیں اب حیض (مستقل کورس) نہیں آتا۔ وہ عمر کی اس حد تک پہنچ گئی ہیں جہاں خون حیض بند ہو جاتا ہے تو ان کی عدت طلاق کے بعد تین ماہ ہے۔

۲۔ وہ خواتین جو حیض کی اس مدت تک نہیں پہنچی ہیں مگر کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے خون حیض رک گیا ہے تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہوگی۔

۳۔ اگر عورت کے پیٹ میں بچہ ہے اسے طلاق ہو گئی ہے تو بچہ جننے پر اس کی مدت ختم ہوگی۔

دوسری صورت کا مطلب ہمارے حضرات نے یہ لیا ہے کہ جنہیں ابھی حیض نہیں آیا ہے کیونکہ وہ چھوٹی ہیں تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ اس کے بعد نتیجہ یہ نکالا کہ جو بچی ہے اور اسے ابھی تک حیض نہیں آیا تو اس کی رخصتی جائز ہے۔ تبھی تو اس کی عدت ہوگی پھر اس دعوے پر دلیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی نو سال میں رخصتی کو قرار دے دیا اس آیہ کریمہ کے صرف اس فقرے والائی لم یحض سے یہ استدلال لیا تائید میں وہ حدیث پیش کر دی جس میں بخاری کے حوالے سے ہم بحث کر چکے ہیں۔

عربی بلاغت

اب آیئے اس جملے کا صحیح مطلب واضح کریں تا کہ حقیقت سامنے آ سکے اگر یہ حضرات عربی بلاغت سے واقف ہوتے تو یہ بات نہ کہتے۔ عربی بلاغت یہ ہے کہ ایک بات ہو سکتی ہے مگر وہ نہیں ہو رہی ہے تو وہاں مضارع پر لم لگا دیتے ہیں۔ اب یہاں لم یحضن کا لفظ ہے۔ یحضن فعل مضارع ہے جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ان عورتوں کو حیض آتا ہے یا حیض آئے گا۔ اب اس پر لم آ گیا جس کا معنی "نہیں" ہے۔ یہ مضارع کو ماضی کے معنی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اب قواعد بلاغت کے مطابق اس کا معنی ہو گا وہ خواتین جنہیں حیض آنا چاہیئے تھا مگر وہ نہیں آیا تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہو گی۔ انہیں حیض کیوں نہیں آیا؟ اس کی وجہ بیماری بھی ہو سکتی ہے، جسمانی تبدیلی بھی ہو سکتی ہے، کوئی اور وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ بہت سی خواتین ایسی ہیں کہ بچے کو دودھ پلانے کے دوران انہیں حیض نہیں آتا اب انہیں حیض نہیں آ رہا مگر عمر کے تقاضے کے مطابق انہیں حیض آنا چاہیئے تھا تو ایسے مقام پر مضارع پر لم لگا کر اسے ماضی کا معنی پہنا کر کہا جاتا ہے کہ حیض نہیں آیا اسی طرح وہ لکھتا تھا مگر اب نہیں لکھ رہا ہے۔ تو کہیں گے لم یکتب۔

اس لفظ کے آخر میں الف بڑھا کر لمّا کردیں تو اس کا مطلب ہوتا ہے وہ ابھی تک کام کر نہیں سکا۔ مثلاً آپ کہتے ہیں لما یکتب تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی اسے لکھنا نہیں آیا۔ یہ دونوں لفظ مضارع پر آتے ہیں۔ عربی میں مضارع دو معنی دیتا ہے حال (Present Tense) اور مستقبل (Future Tense) اور لم اسے ماضی کے اس انداز کے معنی میں بدل دیتا ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ماضی (Past Tense) کو اگر منفی کرنا ہو تو اس پر ما دہ لگاتے ہیں۔ اگر یہاں ماضی میں حیض کی نفی مقصود ہوتی تو عربی عبارت ما حضن ہوتی اور معنی ہوتا کہ ابھی وہ عمر کے اس حصے میں ہے کہ حیض نہیں آیا۔

میرا خیال ہے خواتین و حضرات کو یہ بات سمجھ آ گئی ہوگی مختصر پھر عرض کر رہا ہوں کہ جو ان حضرات نے معنی سمجھا ہے اگر وہ حق ہے تو اللہ کریم کو یہاں ما حضن لفظ استعمال فرمانا چاہئے تھا مگر لفظ لم یحضن استعمال ہوا ہے اور اس کا مطلب وہ ہے جو ہم عرض کر رہے ہیں اللہ کریم نے ماضی منفی استعمال نہ فرما کر آپ کے مطلب کو غلط کر دیا ہے۔

اب عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بالغ ہے مگر کسی جسمانی یا طبی وجہ سے اسے حیض نہیں آیا تو اس کی عدت بھی تین ماہ ہوگی۔ ہم یہی عرض کر سکتے ہیں کہ

سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جا است

اگر یہی معنی ہیں جو ہم عرض کر رہے ہیں تو پھر وہ عمارت ہی ساری گر جاتی ہے کس کی بنا پر فرمایا جا رہا تھا کہ وہ نابالغ لڑکی جس کی رخصتی ہو گئی ہے اسے طلاق ہو جائے تو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے اور پھر اس کے ساتھ یہ واقعہ چسپاں کر دیا گیا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف منگنی کے وقت چھ سال تھی اور رخصتی کے وقت نو سال تھی۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں آپ کی رخصتی کی عمر انیس سال عرض کی تھی اگرچہ وہ دلائل کافی ہیں مگر آئیے ایک دو اور حضرات سے بھی پوچھ لیں۔

تاریخ کے جھروکوں سے

ہم سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں کافی تاریخی حوالے پیش کر چکے ہیں مگر قند مکرر کے طور پر قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات پر بحث کے بعد پھر ذرا اسماء الرجال کے ماہرین اور تاریخ کے قائدین سے سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

۱۔ علامہ حافظ ابن کثیرؒ ایک مسلمہ فاضل ہیں وہ اپنی شہرہ آفاق کتاب " البدایہ والنہایہ" کی آٹھویں جلد کے صفحہ ۳۴۶ پر حضرت اسماء بنت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات بیان کرتے ہوئے فضائل و محامد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وہ اپنے بیٹے اور خاوند کے ساتھ معرکۂ یرموک میں شریک تھیں۔ یہ اپنی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ ۷۳ھ میں انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ کا سانحہ دیکھا۔ یہی مشہور ہے کہ وہ اپنے بیٹے سے سو دن بعد وفات پا گئیں۔ وفات کے وقت ان کی عمر سو سال تھی، نہ ان کا کوئی دانت اکھڑا اور نہ ہی عقل میں کوئی خرابی ہوئی۔ اگر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ۷۳ھ میں سو سال کی تھیں تو ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال ہونی چاہیے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان سے دس سال چھوٹی ہیں تو ان کی ہجرت کے وقت عمر ۱۷ سال ہونی چاہیے اور شوال ۲ھ میں ان کی عمر مبارک انیس سال ہوئی اس تحقیق سے پتہ چلا کہ امام ابن کثیرؒ کے نزدیک رخصتی کے وقت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عمر انیس سال تھی۔

۲۔ علامہ خطیب (مؤلف مشکوۃ شریف) نے اپنی کتاب " الاکمال فی اسماء الرجال" میں بھی یہی لکھا ہے۔

وهی اکبر من اختها عائشة بعشر سنین وما تت بعد قتل ابنها بعشرة ایام و قیل بعشرین یوما بعد ما انزل ابنها من الخشبة ولها مائة سنة و ذلک سنة ثلاث و سبعین بمکة و روی عنها خلق کثیر (الاکمال مع المشکوۃ ص ۵۹۱ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

ترجمہ: وہ (سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا) اپنی بہن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی ہیں۔ اپنے بیٹے کی شہادت سے دس یا بیس دن بعد وفات پا گئیں جب کہ ان کے بیٹے (عبداللہ) کو سولی سے اتارا گیا اس وقت ان کی عمر سو سال تھی اور سولی کا واقعہ مکہ میں ۷۳ھ میں پیش آیا تھا بے شمار لوگوں نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔

۷۳ھ میں سو سال کی تھیں تو ہجرت کے وقت ستائیس سال کی ہوئیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو دس سال چھوٹی ہیں ہجرت کے وقت سترہ سال کی بنیں اور رخصتی کے وقت انیس سال کی ہوئیں تو علامہ خطیب کی رائے علامہ ابن کثیرؒ سے مل گئی۔

۳۔ علامہ ذہبی ایک عظیم محدث و بے مثال محقق ہیں۔ ان کا ارشاد یہی ہے اسماء، عائشہ سے دس سال سے کچھ اوپر بڑی تھیں۔ وہ کہتے ہیں اسماء کا

انتقال ہوا تو ان کی عمر سو سال تھی ابن سعد کا ارشاد ہے کہ اپنے بیٹے (کی شہادت کے) چند دن بعد وصال ہوا ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ سترہ جمادی الاول بروز منگل ۷۳ھ پیش آیا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۲۰۸ تا ۲۱۴ ملخصا)

اس تاریخی شہادت سے بھی پتہ چلا کہ ہجرت کے وقت سیدہ اسماء کی عمر ستائیس سال تھی اور سیدہ عائشہ جو عمر میں ان سے دس سال چھوٹی ہیں سترہ سال کی تھیں اور ۲ھ شوال میں جب ان کی رخصتی ہوئی تو وہ انیس سال کی تھیں۔

۴۔ علامہ طبری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی دور جاہلیت کی ازواج و اولاد کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ

''زمانہ جاہلیت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دو خواتین تھیں۔ قتیلہ جن کے بطن سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے دوسری ام رومان رضی اللہ عنہا تھیں جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے۔''

مزید فرماتے ہیں:

فھوء لاء الاربعة من اولادہ ولدوا من زوجیه اللتین سمیتھما فی الجاھلیة (تاریخ طبری ص ۵ ج ۴)

ترجمہ: یہ چاروں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں جو ان دو بیویوں سے جن کا میں نے نام لیا ہے زمانہ جاہلیت میں پیدا ہوئے۔

علامہ طبری سیدہ کی ولادت زمانہ جاہلیت میں بتا رہے ہیں اور علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کا بیان گزر چکا ہے کہ جب وہ اسلام لائیں تو باشعور تھیں۔ اگر یہ عرصہ چار پانچ سال کا ہی شمار کیا جائے تو ہجرت کے وقت وہ سترہ، اٹھارہ سال کی بنتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ علامہ طبری کی تحقیق بھی ہمارے باقی مورخین کے مطابق ہے۔

رہی یہ بات کہ علامہ طبری شیعہ ہیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ مذہب کا کوئی اختلافی مسئلہ بیان نہیں کر رہے ہیں بلکہ ایک تاریخی واقعہ بیان فرما رہے ہیں اور وہ عظیم سنی مورخین سے متفق ہیں۔

قرآن سے پوچھئے

حدیث اسماء الرجال اور تاریخ کے حوالے ہم نے ابتداء ذکر کر دیئے تاکہ قرآنی آیات کو سمجھنے میں سہولت رہے۔ اب ہم اللہ کریم کی آخری کتاب کی طرف پلٹتے ہیں تاکہ بات فیصلہ کن انداز سے ختم کی جاسکے۔

۱۔ ابتداء میں ہم نے سورہ نساء کی پہلی آیہ کریمہ کی تلاوت کی تھی۔ اس نے یہ بات واضح فرما دی کہ نکاح سے غرض حصول اولاد ہے تاکہ اولاد آدم علیہ السلام پھلے پھولے، کائنات آباد رہے اس کے حسن میں اضافہ ہو۔ انسانی اقدار کا بول بالا ہو۔ ہدایت کے علم بلند ہوں۔ علم کی دنیا پر بہار آئے۔

آپ سوچیں کہ چھ سال سے نو سال کی بچیوں سے یہ باتیں ہوسکتیں ہیں۔ وہ بچے پیدا کر کے انھیں سنبھال سکتی ہیں جب کہ وہ خود ابھی بچپن کے دور سے گزر رہی ہیں۔ آیت مقدسہ نے اشارۃً بتا دیا ہے کہ بلوغت سے پہلے رخصتی کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب یہ مقاصد تخلیق کے خلاف ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح وہ مستقبل میں بالغ ہونے کے بعد بھی اولاد کے قابل نہ رہیں۔ العاقل یکفیه الاشارہ عاقل کے لئے اشارہ کافی ہے۔

۲۔ اب دوسری آیت ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد ربانی ہے:

وابتلوا الیتامیٰ حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم (النساء ص ۲)

ترجمہ: یتیموں کو آزماؤ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور تمہیں محسوس ہو کہ وہ سمجھدار ہوگئے ہیں تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔

ایک بندہ مر گیا اس کے بچے نابالغ ہیں وارث ان کا نگران ہے۔ تاکہ مرنے والے کا مال صحیح استعمال ہوسکے۔ اسے قرآن حکیم حکم دے رہا ہے کہ یتیموں کا مال نہ دو۔ ان کے بالغ ہونے کا انتظار کرو۔ جب وہ بالغ ہوں گے تو یتیم نہیں رہیں گے۔ ان کا اب مال دینا جائز ہوگا۔ مال کے حصول کے لئے یتیموں کو بالغ ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ ان کا چچا، ان کا دادا یا ان کا کوئی اور وارث یہ مال ان کے حوالے نہیں کرے گا اور جب وہ باشعور بالغ ہو جائیں گے تو وہ مال وصول کرلیں گے۔

مال ایک ضرورت ہے مگر اس کی اہمیت ثانوی ہے۔ عصمت ایک ذاتی صفت ہے مگر بچی بلوغ کی منازل سے بہت دور ہے۔ اگر اس کے مال کو اس کے حوالے نہیں کیا جاسکتا بلکہ بلوغ کا انتظار ضروری ہے تو اس حالت میں اس کی عفت و عصمت کا تحفظ بھی ضروری ہے تاکہ وہ بالغ ہو جائے بلوغ پر شعور آئے گا وہ اپنا نفع و نقصان سوچ سکے گی۔ لہٰذا اس نص قرآنی کا اقتضاء یہی ہے کہ نابالغ بچی کی رخصتی اس کا کوئی وارث نہ کرے

بلکہ اس کے بالغ ہونے کا انتظار کرے۔ قرآن کا مفہوم یہ ہوا کہ ذمہ داری یتیم پر تب ڈالیں جب وہ بالغ ہو تو یہی مفہوم ان سب مقامات پر بھی لاگو ہوگا۔ جہاں آپ کسی پر ذمہ داری ڈالنا چاہیں گے۔ پھر ایک بچی کے بارے میں بھی اسی معنی و مطلب پر عمل فرمایئے۔

۳۔ ومن آیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ (الروم ص ۲۱ پارہ ۲۱)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تمہارے لئے تمہاری اپنی جنس سے تمہاری بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت بھی بنا ڈالی۔

آیت نے واضح کیا کہ شادی کا مقصد اپنی بیگمات سے سکون حاصل کرنا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ایک خاوند کے لئے بیوی جس کی عمر آٹھ سال ہے باعث سکون ہو سکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس کی رخصتی اس عمر میں کرنے سے قرآن کا مفہوم ہی ختم ہو جائے گا۔ قرآن نے تصریح فرمائی کہ وہ باعث سکون ہے اور جب وہ سکون کے حصول کے ہی قابل نہیں تو پھر یہ شادی و رخصتی قرآن کی تصریح کے خلاف ہوگی اور یتیم اولاد کی طرح اس کے بالغ ہونے کا بھی انتظار کرنا پڑے گا اب ایک اور آیہ شریفہ کی طرف بڑھیں:

۴۔ یا ایھا الذین امنو الا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (النساء ص ۲۱ پارہ ۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے حلال نہیں کہ عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ۔

غور فرمایئے! ایک بچی سے آپ نے شادی کر لی۔ بطور خاوند آپ اس کے وارث بن گئے۔ ابھی نابالغ ہونے کی وجہ سے بے اختیار ہے۔ آپ ایک بے اختیار کے محض اس شادی کی وجہ سے وارث قرار پائے۔ یہ وراثت جبری ہے، یہ زبردستی کی وراثت ہے جس سے قرآن حکیم روک رہا ہے لہٰذا قرآن پاک سے یہ چوتھی دلیل ہے کہ بچی کی رخصتی بلوغ کے بعد ہونی چاہئے تاکہ وہ با اختیار ہو اور خاندان اس کے اختیار کے بعد اس کا وارث قرار پائے۔ قرآن حکیم کی ایک اور آیت پر بھی توجہ فرمالیں۔

۵۔ فانکحوا ما طاب لکم من النساء (النساء ص ۳ پارہ ۴)

ترجمہ: تم نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں پسند ہوں۔

یہاں بیویوں کے لئے لفظ نسا (عورتیں) آیا ہے۔ کیا چھ آٹھ سال کی بچی کو عورت کہا جاتا ہے۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی یا کسی بھی زبان میں اگر بچی کو عورت کہا جاتا ہے تو اس کی لغت سے اہل زبان کے بیان سے ثابت کرنا ہوگا۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے۔ اسے بچی کہا جائے گا۔ ذرا بڑی ہو جائے گی تو وہ لڑکی ہے۔ اب عربی میں اسے کریمہ یا انسہ کہیں گے۔ جوان ہوگی تو شابہ ہے آگے بڑھے گی تو امراۃ ہے جس کی جمع نسا (عورتیں) ہیں۔

قرآن نے سارے ابتدائی مراحل کو چھوڑ دیا اور فرمایا! تم اپنی پسندیدہ عورتوں سے شادی کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ رخصتی بلوغ سے پہلے نہ ہو، تاکہ وہ بالغ ہونے کے بعد ان مقاصد کو پورا کر سکے جو شادی سے وابستہ ہیں اس کی اولاد ہو اس کا شعور پختہ ہو چکا ہو وہ خاوند کے لئے ذریعہ سکون ہو، خاوند جبر و قہر سے اس کا وارث نہ بنے بلکہ اس میں خاتون کی رضا شامل ہو۔ وہ خاوند کی پسندیدہ ہو۔ کیا ایک بچی میں یہ صفات ہوتی ہیں؟ بیگم وہی ہوتی ہیں جو عورت ہے تو مزید ملاحظہ ہو۔

۶۔ وکیف تاخذونہ وقد افضیٰ بعضکم الی بعض واخذ ن منکم میثاقا غلیظا (النساء ص ۲۱ پارہ ۴)

ترجمہ: اور کیوں کر اسے (مہر کو) واپس لو گے حالانکہ تم تنہائیوں کے شریک ہو چکے (بے پردہ ہو گئے) اور وہ تم سے گاڑھا عہد لے چکیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے شادی کی عورت کو طلاق دے دی۔ اس کا مہر مقرر تھا۔ آپ وہ مہر واپس لینا چاہتے ہو تو قرآن حکیم اس عمل کو ناپسندیدہ قرار دے کر ارشاد فرماتا ہے کہ تم وہ مہر کیوں روکتے ہو۔ یہ عادت اسلام کے خلاف ہے۔ دوسرے لفظوں میں مرد کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر جاہلیت میں عورت کو تنگ کرنے کے لئے تم ایسا کرتے تھے تو اب اسلام آنے کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔

اسلام نے بتایا کہ یہ مہر واپس اس لئے نہیں ہو سکتا کہ تم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی تنہائیوں کے وارث رہ چکے ہو اور خاتون تم سے گاڑھا عہد لے چکی ہے۔ شرعی زبان میں اسے خلوت صحیحہ کہتے ہیں۔ یعنی تنہائی میں تم بے پردہ ہو چکے ہو۔ وہ گاڑھا عہد لے چکی ہے۔ اس کا مطلب جماع ہے یعنی وہ اپنی عصمت تمہارے حوالے کر چکی ہے۔ یہ خود سپردگی یہ عصمت کی حوالگی کیا ایک بچی کر سکتی ہے؟ کیا تنہائیوں کی وارث ایک معصوم بچی ہوتی ہے؟ کیا وہ گاڑھے عہد لے سکتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس آیت نے دلالۃً بھی اور اقتضاً بھی بتا دیا کہ نابالغ لڑکی کی رخصتی نہیں ہو سکتی قرآن کا یہی مفہوم ہے اس مفہوم پر ہمیں عمل کرنا ہوگا۔

۷۔ ھن لباس "لکم وانتم لباس لھن (البقرۃ ص ۱۸۷)

ترجمہ: وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں تم مردان عورتوں کے لئے لباس ہو۔

لباس پردہ داری کے لئے ہوتا ہے، لباس زیبائش ہے، زینت وحسن ہے، لباس موسم کی سختیوں سے بچانے کا ذریعہ ہے اسی طرح عورت مردوں کے لئے پردہ ہے اس کے رازوں کا تحفظ کرتی ہے، وہ اس کے رازوں کا محافظ ہے۔ عورت مرد کے لئے حسن ہے زیبائش ہے، زینت ہے تو مرد عورت کے لئے نکھار ہے، سنگھار ہے، جوبن ہے، حسن ہے، عورت مرد کی تکالیف میں اس کی معاون و مددگار ہے تو مرد اس کی مصیبتوں میں ساتھی وغمگسار ہے۔

فرمایئے! کیا چھ آٹھ سال کی بچی بھی ان معنوں میں کسی کا لباس بن سکتی ہے۔ کیا وہ رازدار ہوسکتی ہے؟ کیا وہ بھی مصائب میں اس کے ہاتھ بٹا سکتی ہے؟ کیا وہ بھی زیبائش کا کوئی مطلب پورا کر سکتی ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ ابھی لباس بننے کے قابل نہیں ہے۔ از راہ کرم اسے لباس نہ بنائیں۔ تنگ اور چھوٹا لباس کارآمد نہیں ہوتا وہ پھٹ جائے گا، لباس سکون وآرام کا ذریعہ تبھی ہوتا ہے کہ وہ پورا ہو پورا نہیں ہے تو مفید نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی سوچیں کہ معصوم سی بچی میں ذہنی مطابقت کہاں سے آئے گی یہ سب حقائق لفظ لباس میں چھپے ہوئے ہیں اور جب میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہیں تو ان میں یہ ساری صفات ہونی چاہیئے۔ قرآن حکیم نے اپنی کمال بلاغت سے ایک لفظ میں حقائق کے گلستان کھلا دیئے۔ مگر ہم نے زندگی کی ایک معصوم سی کلی کو لباس بننے اور پھول کی رعنائی لینے سے پہلے مسل دینے کی ٹھانی اور دلیل کے لئے مجاہدۂ اسلام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات اقدس کو پیش کر دیا۔

اسلام نے عبادت کے لئے لباس کو پاک رکھنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی ارشاد ہوا کہ جسم کو بھی پاک رکھو۔ محبوب کل ﷺ کو ارشاد ہوا:

والرجز فاھجر و ثیابک فطھر (المدثر ۴۔۵)

ترجمہ: اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھیئے اور گندگی سے بچیئے۔

اس پاک جسم کے ساتھ آپ فرض، سنتیں، اور نفل سب ادا کر سکتے ہیں۔ لباس پاک ہو اور عورت لباس ہے تو وہ بھی پاک ہوگی۔ اب ذرا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سوچیں کہ وہ سید کل کا لباس ہیں، اور سرکار کریم ﷺ کا لباس تو لازماً پاک ہونا چاہیئے پھر سوچیئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ اللہ کریم اور رسول رحیم ﷺ کے نزدیک کیا ہوگا؟ ان کی قیادت اور ان کے تقدس کا مقام کیا ہوگا۔

اور لباس ہونے میں سب ازواج مطہرات بھی شامل ہیں اور سب پر تقدس کی کملی پھیلی ہوئی ہے مگر اعتراضات زیادہ تر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر کئے جاتے ہیں لہٰذا ہم نے گفتگو میں انہیں اولیت دی ہے ازواج مطہرات لباس مصطفےٰ ﷺ بھی ہیں اور اُمت کی مائیں بھی۔

قرآن کا ارشاد ہے: و ازواجہ امھاتھم (الاحزاب ص ۶ پارہ ۲۱)

ترجمہ: اور آپ کی بیبیاں ان (مؤمنین) کی مائیں ہیں۔

حسب ارشاد قرآن وہ پاک ہیں اور مائیں ہیں۔ پاک پر کیچڑ کوئی ناپاک ہی اچھال سکتا ہے اور ماں کے خلاف کوئی بد اصل ہی زبان دراز کر سکتا ہے لہٰذا سیدہ کے خلاف کہنے سے پہلے ہمیں ہزار دفعہ سوچنا چاہیئے۔

اصل موضوع کی طرف آیئے۔ ہمیں لباس ایسا منتخب کرنا ہوگا جو لباس بننے کے قابل ہو۔ معصوم بچی لباس نہیں بن سکتی لہٰذا کسی معصوم بچی کی رخصتی جائز نہیں ہوگی۔

۸۔ ہم آٹھویں دلیل کے طور پر ایسی آیت پیش کر رہے ہیں جو پہلی آیت کی معاون ہے اور اس کی تشریح وتفسیر کرتی ہے ارشاد ربانی ہے:

وابتغوا ما کتب اللہ لکم (البقرۃ ص:۱۸۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے لکھا ہے اسے تلاش کرلو۔

شادی کی غرض یہ بیان فرمائی کہ تم نے اولاد حاصل کرنی ہے اور اولاد کا فیصلہ اللہ کریم نے پہلے کر رکھا ہے اولاد کیوں ہو؟ اس لئے کہ نسل انسانی باقی رہے۔ انسانی ارتقاء کے مراحل بحسن وخوبی انجام پذیر ہوں، دنیا کی رعنائیوں میں اضافہ ہو، انسانیت واخلاق کے جھنڈے بلند ہوں، اسلام کے انوار ہر طرف بکھریں اور اس کی رعنائیاں ہر طرف نکھر یں۔

فرمایئے! ایک معصوم بچی قابل اولاد ہے؟ کیا اس کی گود ہری ہوسکتی ہے؟ کیا وہ تخلیق انسان کے عمل سے گزر سکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس رخصتی کا جواز کیا ہے؟ کیا اس طرح اس کا مستقبل تاریک نہیں ہوجائے گا؟ کیا اس کی رعنائیوں پر وقت سے پہلے ژالہ باری نہیں ہوجائے گی؟

اگر یہ سب صحیح ہے تو پھر اس از راہ کرم ظلم کی آندھی نہ چلائیے۔ اسے تباہ نہ فرمائیے۔ اسے زندگی کی بہاروں سے محروم نہ کیجئے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

صدیق اکبرؓ کی جانفشانیاں اور رحمت عالمﷺ کی بندہ پروریاں

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ راہِ اسلام کے وہ راہی ہیں۔ جن کی مثال پیش کرنے سے اُمت قاصر ہے۔ ہجرت کی رات وہ ساتھ ہیں۔ جبل ثور کی چڑھائی ہے اور صدیق کے کندھے پر امام الانبیاءﷺ ہیں۔ اپنوں نے اور غیروں نے اس جان نثاری پر اپنے اپنے انداز سے داد دی۔ کچھ مؤرخین تو حیرت زدہ ہیں کہ نبوت کا بوجھ صدیق اکبر نے کیسے اٹھالیا جب کہ بڑے بڑے شاہ زوروں سے یہ بوجھ اٹھایا نہیں جا سکا۔

پھر ذرا چشم تصور سے اس منظر کو ملاحظہ فرمایئے کہ مکہ ہر دو حضرات کے خون کا پیاسا ہے مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی سیدہ اسماء کو فرما کر جا رہے ہیں کہ بیٹی! آپ نے غار ثور میں تازہ کھانا سید کونینﷺ کو پہنچانا ہے۔ ستائیس سال کی ایثار پیشہ جوان صاحبزادی اپنے باپ کی طرح خطرات سے بے نیاز ہو کر یہ ذمہ داری قبول کرتی ہے۔ وہ وادیوں سے گزرتی خشک ریتے کو چیرتی جبل ثور پر چڑھ کر غار ثور کے دروازے پر جا پہنچتی ہے، عقیدت کی دنیا کا یہ وہ شاہکار ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

صحابہ کو ارشاد ہوتا ہے۔ سب نے میرا انکار کیا۔ مجھ سے دلیل مانگی۔ صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی وہی ہیں جنہوں نے نہ انکار کیا نہ دلیل مانگی۔ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی بات نہیں سنی جا سکتی۔ (ملخصاً از صحاح)

ارشاد ہوا ہم نے سب کے احسانات کے بدلے چکا دیئے ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بدلے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔ (ملخصاً از صحاح)

اب آپ ایک اور انداز سے سوچیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ کیوں ٹوٹا؟ صرف اس لئے کہ انہوں نے غلامیٔ رسول علیہ السلام قبول کر کے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ انہیں پھر صابی کہا گیا۔ مذہب چھوڑنے والا کہا گیا۔ اگر وہ عشق رسول کا کلاہ زیب سر نہ کرتے تو وہ قبیلہ کے سردار تھے۔ ایک کامیاب تاجر تھے۔ مکہ اور باقی علاقوں میں ان کا بے حد احترام تھا مگر جوان بیٹی کا اب کیا بنے گا؟ یہ سوال بار بار ذہن کے دریچوں سے جھانک رہا تھا۔

یہ سب واقعات سید کل علیہ السلام کے سامنے ہیں۔ انہیں پتہ ہے کہ یہ رشتہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی وجہ سے ٹوٹا ہے۔

لہٰذا صدیق رضی اللہ عنہ کی دل جوئی تبھی ہو سکتی ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھانے والے خود رشتہ لیں۔ سید کائنات علیہ اطیب التحیات نے رشتہ طلب فرمایا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ٹوٹے دل میں بہار آ گئی۔ آقاﷺ کی اس نوازش نے رحمت کی جھڑی سے دل کو معمور فرما دیا۔ کتنا بڑا کرم ہے کہ حضورﷺ نے دستگیری فرما دی ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو اُم المومنین بنا دیا ہے۔ جی ہاں اب صدیق رضی اللہ عنہ بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر دروازے پر جا کر کہیں گے۔ ام المومنین! کیا ابوبکر کو اندر آنے کی اجازت ہے؟ وہ بیٹی ہیں مگر رحمت عالمﷺ کی شریک حیات بن کر ماں کے مقدس مقام پر پہنچ گئی ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حیات کا ایک نیا باب وا ہو گیا ہے۔ خدمات کا صلہ مل گیا ہے۔ ناتوانیوں کو توانائیاں مل گئی ہیں، آہوں کو رعنائیاں مل گئی ہیں، صدیقہ رضی اللہ عنھا کو کائنات کے امام کا گھر مل گیا ہے۔ رحمت کا در مل گیا ہے۔ اوج عرش ان کے قدموں کے نیچے ہے اور وہ اس گھر میں آ کر نہ صرف ام المومنین بن گئی ہیں بلکہ علوم مصطفیٰﷺ سے نور پا کر کائنات نسوانی کی سب سے بڑی عالمہ بن گئی ہیں۔

یہ نصیب اللہ اکبر۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیٹی لافانی عظمتوں سے اُمت کی ماں بن گئی ہیں۔

حرف آخر:

خواتین وحضرات! اب ہم نے قرآن حکیم کی آٹھ آیات کریمہ، تین احادیث طیبہ، چار تاریخی تائیدی حوالے ایک تاریخی مثال، عربوں کے منگنی کے رواج، دو عظیم فقہاء کی آراء، چار عظیم محدثین کے حوالے اور دیگر روایات سے ثابت کر چکے ہیں کہ رخصتی کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی عمر مبارک نو سال نہیں تھی۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ کی عمر انیس سال تھی۔ اس سے زائد تو ہو سکتی ہے مگر کم نہیں۔ لہٰذا مستشرقین کے سب باتیں لغو ہیں اور اسلام اور پیغمبر اعظمﷺ کی دشمنی کا نتیجہ ہیں۔ علمائے عالی مقام اور مفکرین ذی الاحترام سے گزارش ہے کہ از راہ کرم سیدہ کی عمر کے سلسلہ میں، ہماری گزارشات کو شرف قبولیت سے نوازیں اور مزید تحقیق کے لئے میدان عمل میں اتریں۔

✿ ✿ ✿

کوٹلی لوہاراں سے گوجرانوالہ تک..... روحانی سفر کی حیرت ناک داستان

حضرت علامہ ابوداؤد محمد صادق مدظلہ العالی

ادارہ دلیل راہ نے حضرت علامہ مدظلہ العالی کا انٹرویو کرنا چاہا لیکن آپ نے مدیر کے نام ایک مکتوب میں اپنے بارے میں رقم فرمایا کہ طبیعت سوال و جواب کی پابندی قبول کرنے کی عادی نہیں اور اپنی خوبصورت زندگی کے کوائف ارسال فرما دیئے۔ڈاکٹر منظور حسین نے ترتیب میں اسلوب بدل کر کے مضمون کو گنجینۂ ادب بنا دیا۔

حضرت ابوداؤد محمد صادق مدظلہ العالی کا وطن کوٹلی لوہاراں شرقی ضلع سیالکوٹ ہے۔ دسمبر 1929 میں آپ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد صاحب کوٹلی لوہاراں اور والدہ صاحبہ گوجرانوالہ میں مدفون ہیں۔ کوٹلی لوہاراں میں ابتدائی تعلیم، ناظرہ قرآن پاک اور سکول کی چند جماعتوں تک ہوئی۔ والد صاحب مرحوم کی ملازمت کے دوران 1945 میں بریلی شریف میں ان کا تبادلہ ہوا اور آپ بھی اس طرح بچپن کی عمر میں مع والدہ مرحومہ کے بریلی شریف پہنچ گئے اور وہاں دوران قیام اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار اور مسجد شریف کے بالکل متصل مرکزی جامعہ رضویہ منظر اسلام کے شعبہ حفظ میں داخل ہوگئے اور چند پارے حفظ کئے اس کے بعد وہاں سے واپس آگئے اور باقاعدہ تعلیم کے حصول کے لئے کوٹلی لوہاراں مغربی میں سلطان الواعظین ابوالنور مولانا محمد بشیر صاحب کوٹلوی کے والد ماجد فقیہہ اعظم حضرت مولانا محمد شریف صاحب محدث کوٹلوی (خلیفہ اعلیٰ حضرت) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی صحبت مجلس پائی۔

شیخ الحدیث علیہ الرحمہ نے کنیتیں تقسیم فرمائیں اور آپ کو 'ابو داؤد' کی کنیت ملی

آپ کے اسی فیض صحبت سے علمِ دین کے حصول کا جذبہ پیدا ہوا۔ حضرت فقیہ اعظم نے پہلے کچھ اسباق خود پڑھائے اور پھر علی پور سیداں شریف میں حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری کے مدرسہ نقشبندیہ میں داخل کرا دیا۔ وہاں پہلے چند سال حضرت علامہ آل حسن صاحب سنبھلی علیہ الرحمہ اور پھر استاذ العلماء حضرت علامہ محمد عبدالرشید صاحب جھنگوی کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کئے نیز قیام پاکستان کے بعد جب محدث اعظم پاکستان شیخ الحدیث حضرۃ العلام قبلہ مولانا محمد سردار احمد صاحب علیہ الرحمہ نے بریلی شریف سے فیصل آباد تشریف فرما ہوکر جامعہ رضویہ مظہر اسلام کی بنیاد رکھی تو آپ ابتداہی میں علی پور شریف سے فیصل آباد منتقل ہوگئے اور محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوکر پہلے ہی سال دورہ حدیث شریف کی اولاً جماعت میں داخلہ لے لیا اور دورہ حدیث شریف کے فیوض و برکات سے عموماً اور حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کی نگاہ عنایت سے خصوصاً بہرہ ور ہوئے اور 15 شعبان 1369ھ میں جامعہ رضویہ کے پہلے جلسہ دستار فضیلت میں سند فراغت حاصل کی۔

بعد ازاں حضرت محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کے حکم سے فیصل آباد میں بعض مساجد میں امامت وخطابت اور مرکزی دار العلوم جامعہ رضویہ میں تدریس کی خدمت سپرد ہوئی۔ اس کے بعد 1370ھ میں گوجرانوالہ کی قدیم ترین، مشہور زمانہ، اسم با مسمّٰی، تاریخی مرکزی جامعہ مسجد زینت المساجد میں خطیب وامام کی ضرورت محسوس ہوئی اور گوجرانوالہ سے اس سلسلہ میں زینت المساجد کی انجمن کا وفد حضرت محدث اعظم پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست پیش کی تو محدث اعظم کی دوربین نظروں نے اس اہم ترین ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ ہی کا انتخاب فرمایا اور اس طرح گوجرانوالہ شہر میں تبلیغ وخدمت دین کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ جب حق وصداقت اور عظمت وشان

محدثِ اعظمؒ نے فرمایا کہ آپ کی برکت سے سنّیت کا چرچا ہوگا

رسالت کا نعرہ گونجا اور مکمل کرسنت و رضویت کا چرچا ہوا تو پھر منکرین شان رسالت و مخالفین اہل سنت کی طرف سے سازشوں اور شرارتوں کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا اور جرم حق گوئی میں متعدد مرتبہ قید و بند، مقدمہ بازی، ہتھکڑی و جرمانہ وغیرہ تک بھی نوبت پہنچی اور پھانسی کوٹھڑی میں بند رکھا گیا۔ شہر سے اخراج و قتل وغیرہ کی دھمکیاں بھی دی گئیں، یہاں تک کہ 12 ربیع الاول شریف 1387 میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کے مرکزی جلوس کے دوران چوک نیائیں میں آپ کی ذات اور تانگہ کو بالخصوص نشانہ بنا کر شدید خشت باری کی گئی مگر ادھر بمصداق:

بڑھتا ہے یہاں ذوق جرم ہر سزا کے بعد

اور ادھر، اسلام کے پودے کو قدرت نے لچک دی ہے۔ اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دباویں گے۔ خدمت اسلام و سنیت، نعرہ رسالت صلوٰۃ و سلام اور جشن میلاد پاک و دیگر جماعتی و تبلیغی سرگرمیوں کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور بقول شخصے

رہرو ملتے گئے اور کارواں بنتا گیا

یاد رہے کہ آپ کی گوجرانوالہ حاضری و سلسلہ خدمت دین سے قبل یہاں صرف تنگ سی دو چار مساجد تھیں، نہ اہل سنت کا کوئی مدرسہ تھا نہ کتب خانہ، نہ رسالہ، نہ محافل و اجلاس کا کوئی اہتمام۔ بعض سالوں میں ایسا موقع بھی آیا کہ عید میلاد النبی ﷺ کے مرکزی جلوس میں عوام اہل سنت کے ساتھ علماء میں سے تنہا آپ شامل ہوئے پھر کرم بالائے کرم ہوا، سنی رضوی انقلاب آیا اور فیض کا دریا موجزن ہوا۔ روزنامہ ''جناح'' لاہور نے 20 جنوری 2007 کی اشاعت میں گوجرانوالہ کی جو بھرور رپورٹ شائع کی ہے اس کے مطابق (تمام فرقوں کی مساجد کے بالمقابل اس وقت سب سے زیادہ) ''گوجرانوالہ میں بریلوی مسلک کی 1064 مساجد ہیں'' بحمد اللہ تعالیٰ و بہ برکۃ رسول اللہ ﷺ۔

------ بڑھتا ہے یہاں ذوق جرم ہر سزا کے بعد ------

آپ کو 1373ھ 1954ء میں حج و زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حج و عمرہ کے علاوہ بحمد اللہ 31 روز مدینہ منورہ میں حاضری رہی۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست

آخر آمد زپس پردہ تقدیر پدید

14 شوال 1374ھ کو بدست محدث اعظم پاکستان علیہ الرحمہ گوجرانوالہ کی اولین دینی معیاری مرکزی درسگاہ جامعہ حنفیہ سراج العلوم کا قیام عمل میں آیا جس سے ہزاروں طلباء مستفیض و سینکڑوں فارغ التحصیل ہوئے اور اندرون ملک کے علاوہ ان فیض یافتہ حضرات علماء و مشائخ میں سے سینکڑوں مڈل ایسٹ، عرب ممالک اور یورپ و امریکہ وغیرہ میں بھی اشاعت و تبلیغ دین میں مصروف ہیں، فالحمد للہ علی ذالک۔

تقریباً 1375ھ 1954ء میں تبلیغی سرگرمیوں، اجلاس و محافل اور رسائل و اشتہارات کی تبلیغ و اشاعت کے لئے باقاعدگی کے ساتھ ''جماعت رضائے مصطفےٰ'' کا قیام عمل میں آیا اور اس کے تحت 14 رمضان المبارک 1374ھ مطابق 15 اپریل 1957ء کو باقاعدہ اہل سنت و جماعت کے بین الاقوامی محبوب ترجمان اور مسلک اعلیٰ حضرت بریلوی کے علمبردار ماہنامہ ''رضائے مصطفےٰ'' کا اجراء ہوا۔ جو پانچ سال ہفت روزہ، پانچ سال پندرہ روزہ اور اب ماشاءاللہ 48 سال سے ماہنامہ ''رضائے مصطفےٰ'' کی صورت میں باقاعدگی و پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ رسالہ ''رضائے مصطفےٰ'' کے اجراء کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ علماء اہل سنت کی تصانیف و تراجم کی اشاعت و طباعت کے لئے مکتبہ رضائے مصطفےٰ کا قیام عمل میں آیا جو ماشاءاللہ وسیع پیمانہ پر نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہے۔ کثیر کتب کے علاوہ تقریباً 55 قسم کے مختلف تبلیغی اشتہارات بڑے سائز میں شائع ہو رہے ہیں۔

دسمبر 1970 کے انتخابات میں جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے آپ کو قومی اسمبلی کا اُمیدوار کھڑا کیا گیا یہ اقدام بھی اہل سنت کی بیداری و اجتماعیت کے لئے مفید ثابت ہوا جس میں سوشلزم کے رد و تبلیغ کے علاوہ دیگر فرقوں کے مقابلہ میں اہل سنت کے حقوق و مفادات کا تحفظ ہوا۔

ماہنامہ رضائے مصطفےٰ نصف صدی سے اجالے بانٹ رہا ہے

اس انتخاب میں ''جمعیت اہلحدیث'' کے اُمیدوار کو 6322، دیوبندی اُمیدوار کو 7318، جماعت ''اسلامی'' کے اُمیدوار کو 8680 اور جمعیت علماء پاکستان کے اُمیدوار (ابو داؤد محمد صادق صاحب) کو ماشاءاللہ ان سب سے بڑھ کر 17471 ووٹ حاصل ہوئے اور الحمد للہ اہل سنت کی اکثریت و برتری کا خوب مظاہرہ و چرچا ہوا۔

مرکزی جامع مسجد زینت المساجد سے متعلقہ ان انقلابی واقعات و تبلیغی اقدامات کے بہتر اور مبارک اثرات نہ صرف گوجرانوالہ بلکہ

پورے ملک اور بیرونی ممالک میں بھی محسوس کیے گئے اور ماشاءاللہ ملک وبیرون ملک ایک تبلیغی رابطہ قائم ہو گیا اور مسلسل ایک عملی، روحانی اور مسلکی تحریک جاری ہوگئی۔ جہاں تک خاص شہر گوجرانوالہ کا تعلق ہے یہاں بالخصوص دن دگنی رات چوگنی برکت وترقی ہوئی۔ شہر میں مزید کئی سنی مدارس قائم ہو گئے، اجلاس ومحافل کا شہر گیر سلسلہ جاری ہو گیا اور مزید علماء اہل سنت کی شہر میں تشریف آوری سے شہر میں نامور علماء، خطباء، حفاظ وقراء کا ایک اچھا خاصہ لشکر موجود ہو گیا۔

شہر و مکانات کی مساجد صبح شام بوقت اذان وجمعۃ المبارک کے موقع پر اور مخصوص ایام وتہواروں میں ذکر پاک وصلوٰۃ سلام اور نعرہ رسالت سے گونج رہی ہیں اور اب ایک طرف یہ صورتحال ہے کہ

گیا دور جب تنہا تھا میں انجمن میں
کہ یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

اور دوسری طرف

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائے گا
دین باطل پائمال سنیاں ہو جائے گا

الحمدللہ زینت المساجد میں پہلی مرتبہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام اور یارسول اللہ ﷺ کی جو دلنواز صدا گونجی تھی، وہ اب ہر مسجد، ہر محلہ اور ہر شہر میں سنائی دے رہی ہے۔ اس صلوٰۃ وسلام کے خلاف بہت زیادہ کوششیں کی گئیں، روکنے کی مہم چلائی گئی مگر یہ نورانی سلسلہ مسلسل بڑھتا اور پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ بوسیلہ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ان تمام دینی تبلیغی کوششوں میں مزید برکت، اخلاص، قبولیت اور کامیابی عطا فرمائے اور حاسدین واعداء دین کے شر سے محفوظ فرمائے (آمین ثم آمین)

سب یہ صدقہ ہے عرب کے جگمگاتے چاند کا
نام روشن اسے رضا جس نے تمہارا کر دیا

آقائے نعمت، محدثِ اعظم پاکستان حضرت قبلہ شیخ الحدیث علامہ ابوالفضل محمد سردار احمد جناب علیہ الرحمۃ آپ ناچیز پر بے حد شفقت ونوازش فرمایا کرتے تھے اور دینی، مسلکی خدمات پر بہت زیادہ دعاؤں سے نوازتے اور اسی سلسلہ میں محدثِ اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ نے کئی مرتبہ آپ کی حوصلہ افزائی کے لئے مکاتیب مبارکہ بھی ارسال فرمائے، جن میں سے ایک مکتوب میں قبلہ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ

''مولیٰ تعالیٰ۔۔۔۔ اعداء دین پر مظفر ومنصور رکھے۔ بحمدہ تعالیٰ شہر گوجرانوالہ آپ نے فتح کر لیا، اب مضافات میں بھی جگہ جگہ کامیابی حاصل ہو آمین۔''

ماہنامہ ''رضائے مصطفےٰ'' (گوجرانوالہ) کے اجراء پر انتہائی شفقت وذرہ نوازی فرماتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

''نیک فال ہے کہ آپ اخبار (رضائے مصطفےٰ) تیار کر رہے ہیں مولیٰ عزوجل قبولیت وفتح ونصرت عطا فرمائے (آمین) گوجرانوالہ وگردونواح میں آپ کی برکت سے سنیت کا بہت چرچا ہے، اہل سنت کے جتنے اجلاس گوجرانوالہ میں ہو رہے ہیں، آپ کے خیال میں یہاں کسی شہر میں نہیں ہو رہے''۔ (فقیر ابوالفضل محمد سردار احمد غفرلہ)

لائلپور میں دورہ حدیث کے دوران ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ نے طلباء حدیث میں محدثین کرام کی مناسبت سے کنیتیں تقسیم فرمائیں اور اس موقع پر آپ کو ''ابوداؤد'' کی کنیت عطا فرمائی گئی (فالحمدللہ علی ذالک)

صادق میں غلام شیخ الحدیث ہوں
اک عاشق رسول کی صحبت پہ ناز ہے

✿ ✿ ✿

خواجۂ خواجگان خواجہ سید بہاؤالدین نقشبند قدس سرہ

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت ۴محرم الحرام ۷۱۸ھ میں قصر عارفاں میں ہوئی۔ جو شہر بخارا سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ پیدائش سے پہلے حضرت محمد بابا سماسی نے آپ کے تولد مبارک کی بشارت دی تھی۔ تولد سے تیسرے روز آپ کے جد امجد آپ کو حضرت بابا محمد سماسی قدس سرہ کی خدمت میں لے گئے۔ حضرت بابا نے آپ کو فرزندی میں قبول فرمایا اور اپنے خلیفہ سید امیر کلال سے آپ کی تربیت کے بارے میں عہد لیا۔

طفولیت:

لڑکپن ہی سے ولایت کے آثار اور کرامت و ہدایت کے انوار آپ کی پیشانی سے ظاہر و آشکارا تھے۔ چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ میرا فرزند بہاؤالدین چار سال ایک ماہ کا تھا۔ میرے پاس ایک گائے تھی جو حاملہ تھی ایک روز میرے فرزند نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ یہ گائے گوسالہ سفید پیشانی جنے گی۔ چنانچہ چند ماہ کے بعد قدرت حق تعالیٰ سے وہ گائے ویسا ہی گوسالہ جنی۔ جنہوں نے میرے فرزند کی بات سنی تھی وہ حیران ہوئے اور حضرت بابا خواجہ محمد سماسی کے نفس مبارک کا اثر ثابت ہو گیا۔

چراغوں کا قصہ اور بیعت:

> یہ تیرے شیخ ہیں
> انہوں نے تجھے کلاہ دی ہے
> کیا تو ان کو پہچانتا ہے

آپ کو آداب طریقت کی تعلیم بظاہر سید امیر کلال سے ہے مگر حقیقت میں آپ اویسی ہیں۔ کیونکہ آپ کی تربیت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی کی روحانیت سے ہوئی ہے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ اوائل احوال اور غلبات جذبات و بیقراری میں راتوں کو میں نواحی بخارا میں پھرا کرتا تھا اور ہر مزار پر جاتا تھا ایک رات میں تین مزاروں پر گیا۔ جس مزار پر پہنچتا ایک چراغ ٹمٹماتا ہوا نظر آتا۔ چراغ میں پورا تیل اور بتی ہوتی مگر بتی کو ذرا اکسانے کی ضرورت تھی تاکہ تیل سے باہر آ جائے اور بخوبی جلے۔ شروع رات میں خواجہ محمد واسع کے مزار مبارک پر پہنچا وہاں اشارہ ہوا کہ خواجہ محمود انجیر فغنوی کے مزار پر جانا چاہیے۔ جب میں اس مزار پر پہنچا تو دو شخص آئے انہوں نے دو تلواریں میری کمر پر باندھیں اور گھوڑے پر سوار کر کے اس کی باگ مزار مزداخن کی طرف پھیر دی۔ جب وہاں پہنچا تو فتیلہ اور چراغ اسی حالت میں تھا۔ میں روبقبلہ بیٹھ گیا اور اسی توجہ میں غیبت ہو گئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ قبلہ کی جانب سے دیوار شق ہو گئی اور ایک بڑا تخت ظاہر ہوا تخت پر ایک بزرگ بیٹھا ہے جس کے آگے ایک سبز پردہ لٹکا ہوا ہے اور اس تخت کے گرد ایک جماعت حاضر ہے۔ میں نے اس جماعت میں خواجہ محمد بابا کو دیکھا اور جان گیا کہ یہ جماعت گزشتہ بزرگوں کی ہے مگر دل میں خیال آیا کہ وہ بزرگ اس جماعت میں کون ہیں۔ اتنے میں اس جماعت میں سے ایک نے کہا کہ وہ خواجہ عبدالخالق ہیں اور یہ جماعت ان کے خلیفے ہیں۔ خلیفوں کے نام گن گن کر اس نے ہر ایک کی طرف اشارہ کیا کہ یہ خواجہ احمد صدیق ہیں، یہ خواجہ اولیائے کلاں، یہ خواجہ عارف ریوگری، یہ خواجہ محمود انجیر فغنوی اور یہ خواجہ علی رامیتنی ہیں۔ جب خواجہ محمد بابا سماسی تک پہنچا تو اشارہ کر کے کہا کہ ان کو تم نے حالت حیات میں دیکھا ہے، یہ تیرے شیخ ہیں انہوں نے تجھے کلاہ دی ہے کیا تو ان کو پہچانتا ہے میں نے کہا کہ میں ان کو پہچانتا ہوں کلاہ کا قصہ بہت دنوں کا ہے مجھے یاد نہیں رہا اس نے کہا کہ وہ کلاہ تیرے گھر میں ہے اور تجھے یہ کرامت عطا ہوئی ہے کہ جو بلا نازل ہو وہ تیری برکت سے دور ہو جائے گی۔ اس وقت اس جماعت نے کہا کہ کان لگا کر سنو حضرت خواجہ بزرگ ارشادات فرمائیں گے جو تجھے راہ حق کے سلوک میں کام آئیں گے۔ میں نے اس جماعت سے درخواست کی کہ میں حضرت خواجہ کو سلام کرنا چاہتا ہوں انہوں نے وہ پردہ آگے

سے اٹھا دیا۔ میں نے حضرت خواجہ کو سلام کیا حضرت نے جواب دیا اور ارشادات فرمائے جو سلوک کے ابتدا و وسط و انتہا سے تعلق رکھتے تھے ان میں سے ایک یہ تھا کہ جو چراغ تجھے اس حالت میں دکھائے گئے تیرے لئے بشارت ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تجھ میں اس راستے کی استعداد و قابلیت ہے مگر استعداد کی بتی کو اکسانا چاہیئے تاکہ روشن ہو جائے اور اسرار ظاہر ہوں اور قابلیت کے بموجب عمل کرنا چاہیئے تاکہ مقصد حاصل ہو۔

اے دوست بیا کہ ما ترائیم بیگانہ مشو کہ آشنائیم

دوسرا ارشاد جس کی آپ نے تاکید فرمائی یہ تھا کہ ہر حال میں جادۂ شریعت و استقامت پر قدم رکھنا چاہیئے اور عزیمت و سنت پر عمل کرنا اور رخصت و بدعت سے دور رہنا چاہیئے اور ہمیشہ حدیث مصطفےٰ ﷺ کو اپنا پیشوا بنانا اور اخبار رسول اکرم ﷺ اور آثار صحابہ کرام کی تلاش میں رہنا چاہیئے۔ ان ارشادات کے ختم ہونے پر حضرت خواجہ کے خلیفوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے حال کی صداقت کا شاہد ایک یہ ہے کہ تو مولانا شمس الدین انکلوی کے پاس جانا اور کہنا کہ فلاں ترک نے ایک شخص سقا نام پر دعوی کیا ہے حق اس ترک کی طرف ہے اور تم سقا کی رعایت کرتے ہو۔ اگر سقا مدعی کی جانب کی حقیقت کا منکر ہو تو اس سے کہنا کہ "اے سقائے تشنہ" وہ اس بات کو جانتا ہے دوسرا شاہد یہ ہے کہ سقا نے ایک عورت سے زنا کیا ہے جب وہ حاملہ ہو گئی تو حمل کو اسقاط کر کے بچہ کو فلاں جگہ میں انگور کے نیچے دفن کر دیا ہے پھر ان خلیفوں نے فرمایا کہ جب تو یہ پیغام مولانا شمس الدین کو پہنچا دے تو دوسرے روز صبح کے وقت فوراً تین عدد مویز لینا اور ریگ مردہ کے راستے نسف کی طرف امیر سید کلال کی خدمت میں روانہ ہو جانا جب تو پشتہ فراخوں پر پہنچے گا تو ایک بوڑھا ملے گا جو تجھے ایک گرم روٹی دے گا وہ روٹی لے لینا مگر اس سے بات نہ کرنا آگے بڑھ کر تجھے ایک قافلہ ملے گا قافلہ سے گزر کر ایک سوار آگے آئے گا جسے تو نصیحت کرے گا اور وہ تیرے ہاتھ پر توبہ کرے گا۔ حضرت عزیزاں کی کلاہ جو تیرے پاس ہے اسے اپنے ساتھ سید امیر کلال کی خدمت میں لے جانا۔ بعد ازاں اس جماعت نے مجھے ہلا دیا اور میں ہوش میں آ گیا۔ صبح کو میں فوراً زیورتون کی طرف اپنے مکان میں گیا اور متعلقین سے کلاہ کا قصہ دریافت کیا وہ بولے کہ مدت ہوئی وہ کلاہ فلاں جگہ میں ہے جب میں نے حضرت عزیزاں کی کلاہ دیکھی میرا حال دگرگوں ہو گیا اور میں بہت رویا۔ اسی وقت میں انکنہ میں آیا اور نماز فجر مولانا شمس الدین کی مسجد میں پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر میں نے وہ قصہ مولانا سے بیان کیا۔ سقا حاضر تھا وہ مدعی کی جانب کی حقیقت کا منکر ہو گیا، میں نے سقا سے کہا کہ میرا ایک گواہ یہ ہے کہ تو سقائے تشنہ ہے تجھے عالم معنے سے کچھ حصہ نہیں، وہ خاموش ہو گیا پھر میں نے کہا کہ میرا دوسرا گواہ یہ ہے کہ تو نے ایک عورت سے زنا کیا وہ حاملہ ہو گئی تیرے حکم سے اسقاط حمل کیا گیا اور بچہ کو تو نے فلاں جگہ میں انگور کے نیچے دفن کر دیا سقا نے اس سے بھی انکار کیا مولانا اور مسجد کے لوگ اس جگہ پہنچے اور تلاشی کی تو وہاں مدفون بچہ پایا۔ سقا نے معافی مانگی۔ مولانا اور مسجد کے لوگ رو پڑے اور عجیب حالات ظاہر ہوئے جب وہ دن گذر گیا دوسرے روز آفتاب نکلنے کے وقت جیسا کہ واقعہ میں مامور ہوا تھا تین عدد مویز لے کر ریگ مردہ کے راستے نسف کی طرف روانہ ہونے لگا جب مولانا کو میری روانگی کی خبر ہوئی تو مجھے بلایا اور مجھ پر بڑی عنایت کی اور فرمایا کہ تجھ میں درد طلب پیدا ہو گیا ہے اس درد کی دوا ہمارے پاس ہے تو اسی جگہ ٹھہر جا تاکہ ہم تیری تربیت کا حق بجا لائیں اس ارشاد کے جواب میں میری زبان سے نکلا کہ میں دوسروں کا فرزند ہوں اگر آپ پستان تربیت میرے منہ میں دیں تو مجھے لینا نہ چاہیئے یہ سن کر مولانا خاموش ہو گئے اور مجھے اجازت دے دی میں نے اسی وقت کمر مضبوط باندھی اور دو شخصوں کو حکم دیا پس انہوں نے پوری قوت سے ہر طرف مجھ سے میرا کمر بند کس دیا اور میں چل پڑا جب میں پشتہ فراخوں پر پہنچا ایک بوڑھا مجھ سے ملا جس نے مجھے ایک گرم روٹی دی میں نے لے لی اور اس سے کوئی بات نہ کی، آگے بڑھ کر ایک قافلہ پر میرا گذر ہوا قافلہ والوں نے مجھ سے پوچھا کہ تو کہاں سے آ رہا ہے؟ میں نے کہا کہ انکنہ سے، وہ بولے کہ وہاں سے تو کب روانہ ہوا میں نے کہا کہ طلوع آفتاب کے وقت، میں جس وقت ان سے ملا چاشت کا وقت تھا وہ متعجب ہوئے کہ انکنہ سے یہاں تک چار فرسنگ کا فاصلہ ہے اور ہم اول شب روانہ ہوئے تھے جب میں ان سے آگے بڑھا تو وہ سوار ملا میں نے سلام کیا، اس نے کہا کہ تو کون ہے میں تجھ سے ڈرتا ہوں میں نے کہا کہ میں وہ ہوں جس کے ہاتھ پر تجھے توبہ کرنی چاہیئے۔ اس نے جلدی گھوڑے سے اتر کر نہایت تضرع اور توبہ کی۔ اس کے پاس بہت سی شراب تھی وہ سب اس نے پھینک دی جب میں اس سے آگے بڑھا اور نسف کی حد میں پہنچا تو اس جگہ گیا جہاں حضرت سید امیر کلال تشریف رکھتے تھے میں ان کی ملاقات سے مشرف ہوا اور حضرت عزیزاں کی کلاہ ان کے آگے رکھ دی۔ حضرت امیر نے فرمایا کہ اس کے بارے میں اشارہ یوں ہوا ہے کہ اس کو دو پردوں کے درمیان محفوظ رکھو میں نے قبول

کیا اور کلاہ لے لی۔ بعد ازاں حضرت امیر نے مجھے ذکر کی تلقین کی اور بطریق خفیہ نفی و اثبات میں مشغول کیا۔ میں ایک مدت تک اس سبق میں مشغول رہا میں نے جیسا کہ واقعہ میں مامور ہوا تھا عزیمت پر عمل کیا اور ذکر بالجہر نہ کیا چونکہ مجھے اخبار و آثار رسول کریم وصحابہ کرام کی تفحص کا حکم تھا اس لئے علماء کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور احادیث پڑھا کرتا اور آثار صحابہ معلوم کیا کرتا تھا اور ہر ایک پر عمل کرتا اور اس کا نتیجہ اپنے باطن میں مشاہدہ کرتا۔

اس نے لکڑی سے مجھے مارا اور تر کی زبان میں کہا کیا تو نے گھوڑے دیکھے ہیں

حضرت خواجہ نقشبند فرماتے ہیں کہ اوائل احوال میں ایک دفعہ ۹ ماہ تک فیض کا دروازہ مجھ پر بند رہا، میں کمزور اور بے چین ہو گیا میں نے چاہا کہ خلوق کی خدمت و ملازمت میں مشغول ہو جاؤں اسحال میں میرا گذر ایک مسجد پر ہوا جس پر یہ شعر لکھا ہوا نظر پڑا۔

اے دوست بیا کہ ما ترائیم

بیگانہ مشو کہ آشنائیم

جب میں نے یہ شعر پڑھا مجھ پر رقت طاری ہوئی اور عنایت الٰہی سے وہ دروازہ پھر مجھ پر کھل گیا۔

فرماتے ہیں کہ مبادی احوال میں ایک رات میں مسجد زیورتوں میں ایک ستون کے پیچھے روبقبلہ بیٹھا تھا۔ ناگاہ غیبت وفنا کا اثر ظاہر ہونے لگا اور رفتہ رفتہ میں بے خود ہو گیا اور اس حالت میں فنائے کلی کو پہنچ گیا ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ جو مطلوب و مقصود ہے تمہیں مل گیا کچھ دیر کے بعد میں ہوش میں آ گیا فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد ایک روز میں اس باغ میں تھا اور اشارہ اس باغ کی طرف کیا جس میں آپ کا مزار مقدس واقع ہے متعلقین کی ایک جماعت میرے ساتھ تھی ناگاہ عنایت الٰہی کے جذبات کا اثر ظاہر ہونے لگا اضطراب و بے قراری پیدا ہوئی میں اٹھ کر روبقبلہ ہو بیٹھا اچانک غیبت واقع ہوئی اور وہ غیبت فنائے حقیقی تک پہنچ گئی میں اس فنا میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری روح کو آسمانوں کے ملکوت سے آگے لے گئے اور اس مقام پر پہنچا کہ میری روح ستارے کی شکل میں نور بے نہایت کے دریا میں محو ناپدید ہو گئی اور میری قالب میں حیات ظاہری کا کچھ نشان نہ رہا میرے گھر والے اور متعلقین اس حالت میں گریہ وزاری کرتے تھے یہاں تک کہ میں آہستہ آہستہ وجود بشری میں آ گیا وہ غیبت وفنا کم وبیش چھ گھنٹے رہی تھی۔

مشائخ سے استغفار:

خواجگان نقشبندیہ کے سلسلے میں خواجہ محمود انجیر فغنوی کے وقت سے سید امیر کلال کے زمانے تک ذکر خفیہ کو ذکر علانیہ کے ساتھ جمع کیا کرتے تھے مگر خواجہ نقشبند ذکر خفیہ کیا کرتے تھے اور ذکر علانیہ سے پرہیز کرتے تھے جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور جب حضرت امیر کے اصحاب حلقہ میں ذکر علانیہ کرتے تو حضرت خواجہ مجلس سے اٹھ جایا کرتے۔ حضرت امیر کے اصحاب پر یہ امر گوار گزرتا مگر حضرت خواجہ حضرت امیر کی خدمت و ملازمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے اور ہمیشہ سر تسلیم ان کی ارادت و متابعت کی آستان پر رکھتے اور حضرت بھی روز بروز حضرت خواجہ کی طرف زیادہ التفات کرتے۔ یہاں تک کہ ایک روز آپ کے اصحاب کی ایک جماعت نے خلوت میں آپ کی خدمت میں حضرت خواجہ کی شکایت کی۔ حضرت امیر نے اس خلوت میں کچھ جواب نہ دیا۔ مگر بعد ازاں ایک دن آپ کے تمام اصحاب چھوٹے بڑے جن کی تعداد پانسو تھی سو خار میں مسجد و جماعت خانہ اور دیگر مکانات کی تعمیر کے لئے جمع تھے اور ہر ایک کام میں لگا ہوا تھا۔ جب مٹی کا کام تمام ہوا۔ آپ نے اس مجمع میں شکایت کرنے والوں سے فرمایا کہ تم میرے فرزند بہاؤ الدین کے حق میں بدگمانی کرتے ہو اور غلطی سے اس کے بعض احوال کو قصور پر محمول کرتے ہو تم نے اس کو نہیں پہچانا۔ حق تعالیٰ کی نظر خاص ہمیشہ اس کے شامل حال ہے۔ اور بندگان حق تعالیٰ کی نظر حق سبحانہ کی نظر کے تابع ہے۔ اس کے حق میں مزید التفات کے بارے میں میرا کچھ اختیار نہیں۔ پھر حضرت خواجہ کو جو اینٹیں لا رہے تھے طلب کیا اور ان سے یوں خطاب کیا۔

''اے فرزند بہاؤ الدین! حضرت خواجہ بابا نے جو تمہارے حق میں وصیت کی تھی میں اسے بجا لایا۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ جس طرح میں نے تمہاری تربیت کی میرے فرزند بہاؤ الدین کی تربیت بھی اسی طرح کرنا اور کوتاہی نہ کرنا سو میں نے ویسا ہی کیا ہے اور اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں نے یہ پستان تمہارے واسطے خشک کئے اور تمہاری روحانیت کا مرغ بشریت کے بیضہ سے نکل آیا مگر تمہاری ہمت کا مرغ بلند پرواز واقع ہوا ہے۔ ترک و تاجیک سے جس جگہ کوئی خوشبو تمہارے دماغ میں پہنچے طلب کرو اور اپنی ہمت کے بموجب طلب میں کوتاہی نہ کرو۔''

اس ارشاد کے مطابق حضرت خواجہ سات سال مولانا عارف دیک گرانی کی خدمت میں رہے اور ان کی متابعت اور تعظیم و آداب بجا لاتے رہے۔ چنانچہ وضو کے وقت نہر کے کنارے مولانا سے نیچے کی طرف وضو کرتے بیٹھتے اور چلتے وقت مولانا کے قدم پر قدم نہ رکھتے۔ بعد ازاں قثم شیخ کی خدمت میں دو تین مہینے رہے جب پہلے پہل شیخ کی خدمت میں پہنچے ہیں تو شیخ اس وقت خربزہ کھا رہے تھے۔ شیخ نے چھلکا آپ کی طرف پھینک دیا آپ نے بر سبیل تبرک کھالیا اسی مجلس میں تین بار ایسا ہی وقوع میں آیا اسی اثنا میں شیخ کے خادم نے آ کر اطلاع دی کہ تین اونٹ اور چار گھوڑے گم ہو گئے۔ شیخ نے حضرت خواجہ کی طرف اشارہ کیا حضرت خواجہ مراقب ہو کر متوجہ ہو گئے نماز شام کے ادا کرنے کے بعد خادم نے خبر دی کہ اونٹ اور گھوڑے خود بخود آ گئے ہیں بعد ازاں بارہ سال حضرت عطا کی خدمت میں رہے چنانچہ آپ خود فرماتے

جو کام غضب و غفلت یا کراہت و دشواری سے کیا جائے اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی

ہیں کہ اوائل حال میں ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت حکیم عطا قدس سرہ جو کہ کبار مشائخ ترک سے تھے مجھ سے ایک درویش کی سفارش فرماتے ہیں جب میں بیدار ہوا اس درویش کی صورت میرے ذہن میں تھی میں نے اپنی دادی سے جو صالحہ تھی اس خواب کا ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ بیٹا تجھے مشائخ ترک سے کچھ فیض پہنچے گا میں ہمیشہ اس درویش کی ملاقات کا طالب رہا۔ ایک روز بازار بخارا میں اس سے میری ملاقات ہوئی میں نے اس کو پہچان لیا اس کا نام خلیل عطا تھا۔ اس وقت تو اس کی صحبت میسر نہ ہوئی جب میں گھر پہنچا اور شام ہو گئی تو ایک قاصد آیا کہ وہ درویش خلیل آپ کو یاد کرتے ہیں، میں نے کچھ تحفہ لیا اور بڑے نیاز و شوق سے ان کی خدمت میں گیا جب میں ان کی ملاقات سے مشرف ہوا تو میں نے چاہا کہ خواب ان سے بیان کروں مگر انہوں نے خود ترکی زبان میں مجھ سے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے وہ ہمارے سامنے عیاں ہے بیان کی ضرورت نہیں، یہ سن کر میرا حال دگرگوں ہو گیا اور میرا میلان خاطر ان کی طرف زیادہ ہو گیا ان کی صحبت میں عجیب حالات دیکھنے میں آتے تھے اتفاقاً کچھ مدت کے بعد ان کو ماوراء النہر کی بادشاہی مل گئی ایک دفعہ ایام سلطنت میں ایک کام کے لئے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے مجھے اپنی ملازمت و خدمت کی عزت بخشی، بادشاہت کے زمانے میں بھی ان سے بڑے بڑے حالات ظہور میں آتے اور میرا میلان خاطر ان کی طرف اور زیادہ ہوتا وہ مجھ پر بڑی شفقت کرتے تھے اور کبھی مہربانی سے اور کبھی غصے سے مجھے آداب خدمت سکھاتے جس سے مجھے بہت سے فائدے پہنچتے ان آداب کی تعلیم اس راہ کی سیر و سلوک میں مجھے بہت کار آمد ہوئی میں ان کے عہد سلطنت میں چھ سال ان کی خدمت میں رہا کہ مجلس عام میں آداب سلطنت بجا لاتا اور تنہائی میں ان کا محرم خاص تھا۔ اپنے خواص بارگاہ کے سامنے آپ اکثر یوں فرمایا کرتے کہ جو شخص رضائے حق تعالیٰ کے لئے میری خدمت کرے گا وہ خلق میں بزرگ ہو جائے گا مجھے معلوم تھا کہ آپ کا مقصود کون اور کیا ہے اس سے آپ کا اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ بادشاہوں کا اعزاز و اکرام ان کی ظاہری عظمت کی وجہ سے نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس واسطے کرنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنے جلال و بزرگی کا مظہر بنایا ہے۔ اس مدت کے بعد جب ان کی سلطنت کو زوال آیا تو ایک دم میں وہ خدم و حشم و ملک اڑتی خاک ہو گئے یہ دیکھ کر دنیا کا تمام کام میرے دل پر سرد ہو گیا میں بخارا میں آیا اور زیورتوں میں جو دیہات بخارا سے ہے ساکن ہو گیا۔

سیر مقامات:

فرمایا کہ منازل مقامات کے طے کرنے میں حضرت حسین بن منصور حلاج کی صفت دو مرتبہ میرے وجود میں ظاہر ہوئی نزدیک تھا کہ وہ آواز جوان سے ظہور میں آئی تھی مجھ سے بھی ظاہر ہو جائے۔ بخارا میں ایک سولی تھی مگر دونوں دفعہ میں اپنے تئیں اس سولی کے نیچے لے گیا اور کہا کہ تیری جگہ یہی سولی ہے عنایت الٰہی سے میں اس مقام سے عبور کر گیا۔

فرمایا کہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی روحانیت کا اثر علائق ظاہری و باطنی سے تجرد کلی اور انقطاع تمام ہے اور امام محمد علی حکیم ترمذی کی روحانیت کا اثر بے صفتی محض ہے۔

فرمایا کہ میں نے سلطان بایزید اور شیخ جنید اور شیخ شبلی اور ابن منصور حلاج کے مقامات کی سیر کی جہاں وہ پہنچے تھے میں بھی وہاں پہنچا یہاں تک کہ صفات انبیاء کی سیر میں ایسی بارگاہ میں پہنچا کہ جس سے بڑی کوئی بارگاہ نہ تھی میں نے جان لیا کہ یہ بارگاہ محمدی ﷺ ہے۔

سلطان العارفین جب اس بارگاہ تک پہنچے تھے تو انہوں نے چاہا کہ سیر کرنے میں حضور ﷺ کی مماثلت کریں اس لئے ان کی پیشانی پر دست رد مارا گیا مگر میں نے ایسی گستاخی نہ کی سرنیاز و تعظیم آپ کے آستانہ عزت و احترام پر رکھا۔

حضرت خضر سے ملاقات:

فرمایا کہ غلبات طلب میں ایک روز میں بخارا سے نسف کی طرف جا رہا تھا تا کہ حضرت سید میر کلال کی صحبت کا شرف حاصل کروں جب میں رباط جعفراتی میں پہنچا، مجھے ایک سوار ملا وہ چرواہوں کی طرح ایک بڑی لکڑی ہاتھ میں لئے اور نمدہ پہنے میرے پاس آیا اور اس لکڑی سے مجھے مارا اور ترکی زبان میں کہا کہ کیا تو نے گھوڑے دیکھے ہیں میں نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ اس نے کئی بار میرا راستہ روکا اور لکڑی ماری میں نے اس سے کہا کہ میں آپ کو پہچانتا ہوں وہ رباط قراول تک میرے پیچھے آئے اور مجھ سے کہا کہ آؤ کچھ دیر بات چیت کریں مگر میں نے توجہ نہ کی جب میں حضرت سید میر کلال کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے حضرت خضر کی طرف توجہ نہیں کی میں نے عرض کی کہ ہاں میں آپ کی طرف متوجہ تھا اس لئے ان کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

جو کچھ درویشوں سے صادر ہوتا ہے اس میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہوتا

تربیت مریداں:

حضرت علاؤالحق والدین قدس سرہ فرماتے تھے کہ ہمارے مرشد حضرت خواجہ کی نظر عنایت کی برکت سے طالبوں کا یہ حال تھا کہ قدم اول میں سب سعادت مراقبہ سے مشرف ہو جاتے تھے۔ جب نظر عنایت زیادہ ہوتی تو درجہ عدم کو پہنچ جاتے جب اس سے بھی زیادہ نظر عنایت ہوتی تو مقام فنا کو پہنچ جاتے اور فانی از خود اور باقی بحق ہو جاتے اس حال میں حضرت خواجہ یوں فرمایا کرتے کہ ہم تو دولت وصال کے واسطے ہیں ہم سے منقطع ہو کر مقصود حقیقی کو ملنا چاہئے اور ارباب تکمیل والایصال کا طریقہ یہ ہے کہ اس راستے کے بچوں کو طریقت کے گہوارے میں لٹاتے ہیں اور تربیت کے پستان سے دودھ پلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ حد فصال کو پہنچ جاتے ہیں اس کے بعد ان سے دودھ چھڑاتے ہیں اور بارگاہ احدیت کا محرم بناتے ہیں تا کہ حضرت عزت جل احسانہ سے بلا واسطہ فیض حاصل کر سکیں۔

زہد معاشرت:

حضرت خواجہ فقیر تھے اور ہمیشہ فقر کی تائید کیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم نے جو کچھ پایا ہے محبت فقر سے پایا ہے۔ آپ کے دولت خانہ میں موسم سرما میں خاشاک مسجد ہوا کرتا اور گرما میں پرانا بوریا۔ ہر چیز بالخصوص طعام میں حلال کی رعایت اور شبہات سے اجتناب میں نہایت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ اپنی مجلس میں ہمیشہ اس حدیث نبوی کو بیان فرمایا کرتے تھے۔

ان العبادة عشرة اجزاء تسعة منها طلب الحلال وجزء واحد منها سائر العبادات

عبادت دس جزء ہیں۔ جن میں سے نو طلب حلال ہیں اور ان میں سے ایک باقی عبادات ہیں۔

باوجود کمال فقر کے آپ میں ایثار اعلیٰ درجہ کا تھا۔ جو شخص آپ کی خدمت میں ہدیہ لاتا۔ اتباع سنت کے طور پر آپ اسی قدر زیادہ اس کے ساتھ احسان کرتے۔ اگر کوئی دوست یا مہمان آپ کے دردولت پر آتا۔ جب شام ہوتی۔ کھانا جس میں کچھ تکلف ہوتا لاتے اور اس کے آگے رکھتے اور ایک طرف چراغ رکھ دیتے تا کہ وہ کھانا کھالے اگر وہ سو جاتا اور ہوا سرد ہوتی تو خواہ گھر میں فقط ایک کپڑا ہوتا اس کو اس مہمان پر ڈال دیتے آپ کا گزارا زراعت سے تھا ہر سال کچھ جو اور کچھ ماش بوتے بیج زمین اور بیلوں سے کام لینے میں بڑی احتیاط کیا کرتے اکابرو علماء جو حاضر خدمت ہوتے آپ کا طعام بطور تبرک کھایا کرتے شہر میں آپ کا کوئی مکان ملکیتی نہ تھا بطور عاریت رہا کرتے آپ کے ہاں کوئی خادم یا خادمہ نہ تھی جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا بندگی با خواجگی راست نمے آید۔ آپ فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضرت ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے حجروں میں جو کا آٹا چھلنی سے نہ چھانا جاتا (صحیح بخاری، کتاب الاطعمہ) اس لئے چند روز ہمارے گھر میں جو کا آٹا بغیر چھانے پکتا۔ تمام متعلقین و فرزندان بیمار ہو گئے مجھے معلوم ہوا کہ اس کا باعث یہ تھا کہ اہل بیت رسالت کے ساتھ بے ادبی کی گئی کیونکہ اس کھانے میں صورت مساوات کی تشبیہ پیدا ہو گئی۔ بے شک متابعت میں بہت کوشش کرنی چاہئے مگر حقیقت میں اپنے تئیں ہر امر میں مقصر خیال کرنا چاہئے بعد از اں جو کا آٹا نہ پکایا گیا۔ تمام تندرست ہو گئے۔

ہر کہ پے در پے رسول نہاد
از ہمہ رہرواں بہ پیش افتاد

حضرت خواجہ اکثر اوقات کھانا پکاتے اور دستر خوان کی خدمت خود کیا کرتے اور درویشوں کو بالخصوص طعام کھانے کے وقت وقوف و حضور

کی رعایت کا حکم دیتے اور تاکید کرتے اگرچہ دسترخوان پر بڑا اجتماع ہوتا مگر جب ان میں کوئی غفلت سے لقمہ کھاتا۔ تو آپ براہ شفقت و تربیت اسے آگاہ فرماتے اور لقمہ کھانے نہ دیتے اگر کھانا غصہ اور کراہت سے پکا ہوتا آپ اسے نہ کھاتے اور درویشوں میں سے بھی کسی کو کھانے نہ دیتے۔

خواجہ کی آواز کان میں پڑی "چلے آؤ" میں سنتے ہی بخارا روانہ ہوگیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ غدیوت میں تشریف فرما تھے ایک درویش آپ کی خدمت میں کھانا لایا آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہ کھانا نہ چاہیے کیونکہ غصہ کی حالت میں پکایا گیا ہے آٹا چھاننے اور خمیر کرنے اور پکانے کے وقت کسی میں غصہ رہا ہے۔

اگر کوئی شخص کفگیر کو غصہ یا کراہت کی حالت میں دیگ میں مارتا آپ اس کھانے کو نہ کھاتے اور فرماتے جو کام غضب وغفلت یا کراہت و دشواری سے کیا جائے اس میں خیر و برکت نہیں کیونکہ اس میں نفس شیطان کا دخل ہو جاتا ہے اس سے اچھا نتیجہ کب پیدا ہوسکتا ہے۔ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ کے صدور کی بنا طعام حلال پر ہے جو وقوف و آگاہی سے کھایا جائے۔ تمام اوقات بالخصوص نماز میں حضور اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

کرامات:

۱۔ حضرت خواجہ کے ایک مخلص کا بیان ہے کہ جس زمانے میں دشت قپچاق کی طرف ایک لشکر نے بخارا پر حملہ کر کے بہت سی مخلوق کو ہلاک اور بہت سوں کو قید کر لیا وہ میرے بھائی کو بھی قید کر کے لے گئے۔ میرے والد بیٹے کے غم میں بہت پریشان تھے مجھے ہمیشہ کہا کرتے کہ اگر تو میری رضامندی چاہتا ہے تو اپنے بھائی کی تلاش میں دشت قپچاق کی طرف جا۔ چونکہ مجھے حضرت خواجہ سے بڑی عقیدت تھی میں مہمات میں ان ہی کی طرف رجوع کیا کرتا تھا میں نے یہ قصد بھی ان سے عرض کیا آپ نے فرمایا جلدی جا اور باپ کی رضامندی حاصل کر۔ میں نے ایک درہم بطور نذر آپ کی خدمت میں پیش کیا جسے آپ نے قبول کیا مگر پھر مجھے واپس کر دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھنا اس میں بڑی برکتیں ہوں گی جس وقت سفر میں تم کو کوئی مہم پیش آئے تو ہماری طرف متوجہ ہونا میں حسب ارشاد روانہ ہوگیا۔ اس سفر میں تھوڑی سے تجارت سے مجھے بڑا نفع ہوا اور بغیر کسی دشواری کے اپنے بھائی کو خوارزم میں پالیا۔ قیدیوں کی جماعت کے ساتھ کشتی میں سوار ہو کر ہم بخارا کی طرف روانہ ہوگئے کشتی میں لوگ بہت تھے ناگاہ مخالف ہوا چلنے لگی اور کشتی کے غرق ہو جانے کا اندیشہ ہوا لوگوں نے فریاد شروع کی اس پریشانی کی حالت میں میرے کان میں کسی کی آواز آئی جو حضرت خواجہ کو یاد کر رہا تھا اسی وقت مجھے حضرت خواجہ کا وہ ارشاد یاد آیا کہ جس وقت تم کو کوئی مہم پیش آئے تو میری طرف متوجہ ہونا میں نے حضرت خواجہ کی طرف توجہ کی اسی وقت حضرت خواجہ مجھے دکھائی دیئے میں نے سلام عرض کیا ان کی برکت سے ایک لحہ میں ہوا ٹھہر گئی اور دریا کی لہر موقوف ہوگئی تھوڑی مدت کے بعد ہم دونوں بھائی بخارا میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کیا حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ جس وقت کشتی میں تم نے ہمیں سلام کیا تھا ہم نے سلام کا جواب دیا تھا مگر تم نے نہ سنا۔

۲۔ حضرت خواجہ کے ایک درویش کا بیان ہے کہ میرے پچیس دینار عدلی گم ہوگئے۔ لوگوں نے حضرت خواجہ سے یہ قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ ان دیناروں کو اس گھر کی لونڈی لے گئی ہے آپ نے کنیزک کو حکم دیا کہ عدلی دے دو اس نے کہا کہ میں نے فلاں جگہ زمین میں دفن کر دیئے ہیں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جو زمین میں مدفون ہیں وہ صرف تین دینار ہیں حاضرین متعجب ہوئے جب دیکھا گیا تو زمین میں تین ہی دینار تھے۔

۳۔ ایک روز حضرت خواجہ ایک درویش کو کسی طرف روانہ کر رہے تھے آپ نے حسب عادت اس کو بغل میں لیا اور اس پر نظر عنایت ڈالی اتفاقاً اخی محمد درآہنی جو حضرت خواجہ کے بڑے درویشوں میں تھا اس درویش کے آگے آگے جاتا تھا۔ ایک ساعت کے بعد وہ درویش گر پڑا اور اس کی روح قالب سے نکل گئی جب اخی محمد نے یہ حال دیکھا تو وہ جلدی حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچا اور ماجرا عرض کیا حضرت خواجہ اس درویش کے پاس تشریف لے گئے اور اپنا قدم مبارک اس کے سینے پر رکھا وہ ہلنے لگا اور اس کی روح قالب میں آگئی بعد ازاں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں نے اس کی روح چوتھے آسمان میں پائی اور وہاں سے واپس کر لی۔

۴۔ ایک صحیح النسب سید نے جو حضرت خواجہ سے عقیدت و محبت رکھتا تھا یہ حکایت بیان کی کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے جس روز حاجی قربانیاں دے رہے تھے آپ نے فرمایا کہ ہم بھی قربانی دیتے ہیں ہمارا ایک لڑکا ہے اسی کو قربان کر دیتے ہیں جو درویش اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے انہوں نے یہ بات لکھ لی جب بخارا میں واپس آئے تو معلوم ہوا کہ جس روز کعبہ میں حضرت خواجہ کی زبان مبارک پر وہ الفاظ جاری ہوئے تھے اسی روز بخارا میں آپ کا وہ لڑکا فوت ہوا تھا۔

۵۔ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ درویشوں کی جماعت کے ساتھ شہر بخارا میں دروازہ کلاباد میں ایک درویش کے مکان پر تشریف رکھتے تھے اتفاقاً وہ درویش حضرت خواجہ کے لئے کلاہ نوروزی سی رہا تھا۔ایسی کلاہ کو امراء و حکام ہی پہنا کرتے تھے آپ اس وقت حالت بسط میں تھے آپ کی حالت سے درویشوں میں بڑا ذوق پیدا ہو رہا تھا اسی حالت میں حضرت خواجہ اور درویشوں نے جو آپ کی خدمت میں تھے کلاہ نوروزی سر پر رکھی، حضرت خواجہ نے فرمایا کہ چونکہ ہم نے سلاطین کی ٹوپی سر پر رکھی ہے چاہیئے کہ سلطنت میں تصرف کریں، بتاؤ سلاطین میں پہلے ہم کس پر زد کریں، ایک درویش پہلوان محمود نام نے حاکم ماوراالنہر کا نام لیا آپ نے فرمایا کہ ہم نے اسی پر زد کی۔ حاضرین مجلس نے وہ تاریخ لکھ لی آپ نے اسی وقت ایک امیر بخاری کی طرف خط لکھا جو حاکم موصوف سے بھاگ کر کابل چلا آیا تھا اور وہ خط ایک کابل جانے والے کے ہاتھ دے دیا اس خط کا مضمون یہ تھا کہ ایسا واقعہ وقوع میں آ گیا ہے تمہیں چاہیئے کہ پانچ سو دینار نذرانہ بذریعہ حامل خط درویشوں کی خدمت میں روانہ کر دو۔ چند روز کے بعد خبر آئی کہ حاکم ماوراالنہر قتل ہو گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اسی تاریخ کو قتل ہوا تھا یہ سن کر سب تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے حق تعالیٰ نے ہمیں اپنے خاص بندوں کو ایسے تصرفات عطا فرمائے ہیں۔ حضرت خواجہ فرماتے تھے دوستو جس وقت ہم سے ایسا امر ظہور میں آتا ہے ہم درمیان نہیں ہوتے باوجود کمال قرب کے سیدنا محمد مصطفےٰ ﷺ کو خطاب ہوتا ہے" وما رمیت اذ رمیت و لکن اللہ رمی" پس حضور ﷺ کی امت کے بیچاروں کا کیا حال ہوگا جو کچھ درویشوں سے صادر ہوتا ہے اس میں ان کا کچھ اختیار نہیں ہوتا طالبوں کی رہنمائی کیلئے ایسا ہوتا ہے۔

مقصد حقیقی کی دولت کا حاصل ہونا قبولیت پر موقوف ہے

۶۔ ایک درویش نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک روز حضرت خواجہ ایک حوض کے کنارے کھڑے تھے جو شہر بخارا سے قبلہ کی طرف ہے۔اس حال میں ایک درویش جو لوگوں میں ارشاد و تربیت میں مشہور تھا آپ سے ملنے آیا حضرت خواجہ نے اس سے فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارا ارادہ خوارزم جانے کا ہے اس نے عرض کی کہ ہاں۔خواجہ نے فرمایا کہ ہم تمہیں خوارزم نہ جانے دیں گے۔اس نے کہا ایسا نہ کہیئے آپ کو اس بات کی قدرت نہیں۔اتفاقاً اسی اثنا میں مولانا حمید الدین شاشی مع ایک جماعت کے خواجہ کی ملاقات کو آئے۔ حضرت خواجہ نے وہ قصہ مولانا سے ذکر کر کے فرمایا کہ آپ گواہ رہیں ہم اس درویش کو خوارزم نہ جانے دیں گے۔مولانا نے کہا کہ ہم بھی گواہ ہوئے۔اس کے بعد وہ درویش خوارزم کی طرف روانہ ہوا۔جب وہ اقشیہ میں پہنچا جو نواح بخارا میں قافلہ کے اترنے کی جگہ ہے۔ بادشاہ وقت کے قاصد آ پہنچے اور انہوں نے خوارزم کا رستہ بند کر دیا۔اس درویش نے اہل قافلہ کے ساتھ تدبیر کی اور راستے سے برطرف ہو کر کچھ مسافت طے کر کے پھر خوارزم کی راہ ہو لئے۔مگر وہ قاصدان کے پیچھے آ پہنچے اور اس درویش کو مع قافلہ کے گرفتار کر لیا اور بخارا کی طرف لے آئے۔اس درویش نے شیخ سیف الدین باخرزی قدس سرہ کے نواسہ خواجہ داؤد سے التجا کی۔اور کچھ مال دے کر قاصدوں سے رہائی پائی۔ جب یہ خبر مولانا حمید الدین کو پہنچی تو انہوں نے بہت تعجب کیا اور فرمایا کہ خواص بندگان الٰہی نے اس طرح تصرف کیا ہے۔

۷۔ حکایت ہے کہ حضرت خواجہ غدیوت میں تھے۔ایک جماعت کچھ انار آپ کی خدمت میں لائی۔اس جماعت میں درویش محمد زاہد بھی تھا۔ حضرت خواجہ نے انار تقسیم کر کے فرمایا کہ کھاؤ۔محمد زاہد نے کہا میرا غلام بھاگ گیا ہے اس لئے مجھے تشویش ہے۔خواجہ نے فرمایا کہ وہ کسی طرف نہیں جا سکتا، دو دن اور دو رات ہمارے پاس ٹھہرو۔تیسرے روز زیورتون کی طرف اپنے مکان میں چلے جانا۔غلام کی تم کو خبر مل جائے گی۔محمد زاہد نے ایسا ہی کیا۔تیسرے روز جب وہ اپنے مکان میں پہنچا تو پیشتر اس سے کہ حضرت خواجہ کی بشارت اپنے اہل سے بیان کرے غلام دروازے سے داخل ہوا۔محمد زاہد اور اس کے گھر والوں نے تعجب کیا اور غلام سے کیفیت دریافت کی۔اس نے کہا کہ جب میں بخارا سے نکلا تو میں نے نسف کی طرف جانے کا قصد کیا۔میں نے کچھ راستہ طے کیا تھا کہ میرے پاؤں میں ایک بیڑی ظاہر ہوئی میں چل نہ سکتا تھا اور گھنٹی کی آواز آتی تھی۔جس سے مجھے وہم پیدا ہوا کہ یہ آواز بخارا تک پہنچتی ہے جب میں زیورتوں کی طرف لوٹتا۔وہ بیڑی کھل جاتی اور گھنٹی کی آواز نہ آتی تین دن یہی حال رہا۔میں سمجھ گیا کہ یہ کیفیت دوسری جگہ سے ہے۔میں لوٹ کر آپ کی خدمت میں آ گیا۔مجھے معاف فرمایئے۔

(۸) ایک روز حضرت خواجہ قصر عارفاں میں تھے اور شیخ شادی غدیوت سے آئے تھے۔وہ ایک قصور کے سبب جوان سے سرزد ہوا تھا عذر خواہی کرتے تھے۔خواجہ نے فرمایا کہ نذرانہ چاہیئے انھوں نے عرض کیا کہ ایک بیل لاتا ہوں۔خواجہ نے فرمایا نذرانہ میں بیل قبول نہیں۔48 دینار عدلی جو غدیوت میں تم نے مدت سے دیوار کے سوراخ میں چھپائے ہوئے ہیں اور دھوئیں نے وہ جگہ سیاہ کر دی ہے۔

نذرانہ میں لانے چاہئے یہ سن کر شیخ شادی کا حال دگرگوں ہوگیا اس لئے کہ سوراخ میں چھپانے کے وقت کسی کو اطلاع نہ تھی۔ وہ جلدی نمدیوت میں گئے اور وہ دینار خدمت میں پیش کئے۔ حضرت خواجہ نے ان میں سے ایک دینار شیخ شادی کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ یہ حرام ہے۔ تجھے یہ کہاں سے ملا۔ اس وقت شیخ شادی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ان 47 دیناروں سے ایک بیل خرید کر کھیتی کر اور بندگان خدا کی خدمت میں صرف کر۔ اس کے بعد شیخ شادی سے اس ایک دینار کا حال دریافت کیا گیا انھوں نے کہا کہ حضرت خواجہ کا مرید بننے سے پہلے میں ایک مدت تک قمار بازی کرتا رہا وہ دینار قمار سے حاصل ہوا تھا۔

نبی کی ولایت نبی کی نبوت سے افضل ہوتی ہے

۹: خواجہ علاؤالدین عطار بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ درویشوں کی جماعت کے ساتھ ایک درویش کے حجرے میں تھے اس جماعت میں سے بعضے حضرت خواجہ کے اشارے سے دسترخوان کے سامان کے لئے نکلے اور دو فریق ہوگئے۔ ایک فریق بازار صرافاں کی طرف روانہ ہوا انھوں نے حضرت خواجہ کو بازار میں دیکھا اور خیال کیا کہ آپ حجرے سے نکل آئے ہیں دوسرا فریق چوک کی طرف گیا اور انھوں نے حضرت خواجہ کو چوک میں دیکھا، وہی خیال کیا جو فریق اول نے کیا تھا۔ بعد ازاں اخی محمد درامتی سے بازار میں ملے اور اپنا قصہ اس سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے ابھی حضرت خواجہ کو فلاں جگہ دیکھا ہے ایک طرف کو تشریف لے جا رہے ہیں یہ سن کر درویش حیران ہوئے کہ حضرت خواجہ سے کہاں جا کر ملیں۔ اسی فکر میں تھے کہ ایک درویش آیا اور اس نے کہا کہ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے کس واسطے اتنی دیر لگائی انھوں نے سارا قصہ اس درویش سے بیان کیا اس نے کہا کہ جس وقت سے تم حجرے سے نکلے ہو صاحب حجرہ اور میں حضرت خواجہ کی خدمت میں رہے ہیں آپ حجرے سے نہیں نکلے اسی وقت آپ نے مجھے تمہارے پیچھے بھیجا ہے اصحاب حیران ہونے اور اسی حالت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کیفیت دریافت کی اور اپنا قصہ بیان کیا آپ نے تبسم فرمایا اور صاحب حجرہ یہ سن کر بہت رویا اسی وقت حضرت نے فرمایا کہ ایک دفعہ ماہ رمضان کی شام کو حضرت عزیزاں قدس سرہ کی 13 جگہ دعوت ہوئی آپ نے قبول فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں ان دعوتوں میں سے ایک میں حاضر تھا میں نے دوسری جگہوں میں سے جو دریافت کیا تو یہی سنا کہ حضرت عزیزاں تمام جگہوں میں حاضر تھے۔

۱۰: ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ اور شیخ شمس الدین کلال خلیفہ سید امیر کلال اس ندی کے کنارے بیٹھے تھے تو شیخ سیف الدین اور شیخ حسن بلغاری رحمۃ اللہ کے مزار کے سامنے ہے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اسی اثنا میں مچھلی کے قصہ کا ذکر آیا۔ جو ایک دفعہ شیخ سیف الدین اور شیخ حسن کے درمیان گزرا۔ شیخ شمس الدین کلال نے کہا کہ بے شک اولیاء اللہ کے ایسے تصرفات ہوئے ہیں کیا اس زمانے میں بھی کوئی ایسا بزرگ ہے جس سے ایسے حالات ظہور میں آتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا بلکہ ایسے بزرگ بھی ہوتے ہیں کہ اگر مثلاً اس ندی کی طرف اشارہ کر دیں کہ الٹی بہے تو الٹی بہنے لگے حضرت خواجہ یہ فرما ہی رہے تھے کہ وہ ندی الٹی بہنے لگی حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا اس پر وہ ندی بدستور بہنے لگی۔ بہت سے لوگوں نے اس کرامت کا مشاہدہ کیا اور حضرت خواجہ کی کمال ولایت کا اعتراف کیا۔

۱۱: خواجہ علاؤالدین عطار نے یہ حکایت بیان کی کہ ایک روز موسم سرما میں حضرت خواجہ نے درویش امیر حسین سے فرمایا کہ ایندھن بہت سا جمع کر لینا چاہئے جب حسب الارشاد بہت سا ایندھن جمع ہوگیا دوسرے دن برف گرنے لگی اور چالیس دن تک گرتی رہی۔ اسی حال میں حضرت خواجہ شیخ شادی کو ساتھ لے کر خوارزم کی طرف روانہ ہوئے جب حرام کام ندی کے کنارے پر پہنچے تو آپ نے شیخ شادی سے فرمایا پانی پر قدم رکھ کر گزر جاؤ شیخ نے توقف کیا۔ آپ نے دوبارہ ہیبت سے شیخ کی طرف نگاہ کی شیخ بے خود ہوگئے جب ہوش میں آئے تو قدم پانی پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ حضرت خواجہ بھی ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جب پانی سے گزر گئے تو خواجہ نے شیخ سے فرمایا۔ کہ اپنے موزہ کو دیکھو اس کی کوئی جگہ بھیگی یا نہیں۔ شیخ شادی نے دیکھا کہ قدرالہٰی سے موزہ کی کوئی جگہ نہ بھیگی تھی اسی طرح ایک دفعہ حضرت خواجہ ایک طرف جا رہے تھے شیخ امیر حسین اور چند درویش ساتھ تھے ایک نالہ کے پل پر پہنچے آپ نے شیخ سے فرمایا کہ پانی سے گزر جا حسب اشارہ شیخ پانی میں کود پڑے اور حضرت پل پر سے گزر گئے کچھ دیر کے بعد فرمایا امیر حسین! پانی سے نکل آ۔ شیخ پانی سے نکل آئے اور انکے کپڑے خشک تھے خواجہ نے پوچھا کہ جس وقت تم پانی میں کودے تمہارا کیا حال تھا عرض کی کہ میرا حال اچھا تھا میں ایک نہایت صاف مکان میں تھا کچھ دیر کے بعد ایک

دروازہ ظاہر ہوا آپ کی آواز سن کر میں اس دروازے سے نکل آیا۔

۱۲: ایک درویش بیان کرتا ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ میرے غریب خانے میں تشریف لائے، مجھے بڑی خوشی ہوئی گھر میں آٹا نہ تھا میں اس دن آٹے کی بوری لے آیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس آٹے کو خرچ کرتے رہو مگر اس کی کمی بیشی کا حال کسی سے ذکر نہ کرنا، حضرت خواجہ دو مہینے غریب خانے میں رہے ہر روز درویش اور دوست آپ کی زیارت کو آتے تھے اسی آٹے میں سے پکتا رہا مگر وہ آٹا بدستور رہا جب حضرت تشریف لے گئے مدتوں بعد اسی میں سے پکتا رہا اور بحال خود اتنا ہی رہا بعد ازاں میں نے خلاف ارشاد حضرت خواجہ یہ قصہ اپنے اہل وعیال سے ذکر کر دیا پھر وہ برکت نہ رہی۔

طریقت سب ادب ہی ادب ہے

۱۳: سید امیر کلال قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے امیر برہان الدین کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ سوخار میں ہمارے مکان میں تھے میں نے عرض کی کہ مجھے مولانا عارف کی زیارت کا اشتیاق ہے وہ اس وقت نسف میں ہیں آپ توجہ فرمائے کہ وہ جلدی آ جائے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ہم ان کو جلدی بلا لیتے ہیں بعد ازاں حضرت خواجہ امیر برہان الدین کے ساتھ خانقاہ کی چھت پر چڑھ گئے اور تین دفعہ مولانا عارف کو آواز دی پھر فرمایا کہ مولا عارف نے ہماری آواز سن لی ہے اور اس طرف چل پڑے ہیں جب مولانا عارف نسف سے بخارا اور بخارا سے سوخار میں آئے تو ان سے حضرت خواجہ کے بلانے کا قصہ دریافت کیا گیا مولانا عارف نے بیان کیا کہ فلاں روز فلاں وقت ہم اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت خواجہ کی آواز میرے کان میں آئی کہ چلے آؤ میں جلدی نسف سے بخارا کی طرف روانہ ہو گیا۔

۱۴۔ خواجہ علاؤالدین عطار ناقل ہیں کہ ایک روز شام کے وقت حضرت خواجہ درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ درویش عطا کے بالا خانے میں تھے پڑوس میں بخارا کے ایک امیر کا محل تھا جس میں قوالوں کی ایک جماعت گا رہی تھی اور صوفیاء کا ایک گروہ رقص کر رہا تھا اور نہایت شور وشغب برپا تھا حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے از قبیل ملاہی ہے اس کا سننا جائز نہیں تدبیر یہ ہے کہ ہم کانوں میں روئی ٹھونس لیں حضرت خواجہ کا یہ فرمانا تھا کہ سب کا حال متغیر ہو گیا اور وہ آوازیں کسی کو سنائی نہ دیں۔ صبح کو پڑوسیوں نے رات کے حالات درویشوں سے بیان کر کے دریافت کیا کہ آپ کی رات کیونکر گزری درویشوں نے جواب دیا کہ حضرت خواجہ کی عنایت سے وہ آوازیں ہمیں سنائیں نہ دیں یہ سن کر پڑوسیوں نے بہت تعجب کیا۔

۱۵۔ خواجہ علاؤالدین ناقل ہیں کہ حضرت خواجہ کا ایک درویش ایک روز سیب لایا۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرو اس سیب کو ابھی نہ کھاؤ یہ تسبیح پڑھتا ہے حضرت خواجہ کا ارشاد درست تھا حاضرین میں سے بعضے اس سیب کی تسبیح صریحاً سن رہے تھے۔

۱۶۔ ایک روز قصر عارفاں میں حضرت خواجہ کے حکم سے درویش مٹی کا چھکڑا کھینچ رہے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت خواجہ کا ایک مرید محمد خرکوشی زیورتون سے آیا۔ وہ حضرت کی زیارت کے لئے بے قرار ہو رہا تھا۔ اس نے درویشوں سے حضرت کا پوچھا انہوں نے کہا کہ حضرت دولت خانہ کو تشریف لے گئے ہیں۔ یہ سن کر محمد خرکوشی فوراً خواجہ کے مکان کی طرف روانہ ہوا اور بیقراری میں پرندے کی طرح اڑتا تھا۔ چنانچہ حضرت کے مکان تک وہ دو دفعہ اڑا۔ درویشوں نے جب یہ حال دیکھا تو اس کے پیچھے روانہ ہوئے جب اس کے پاس پہنچے تو حضرت خواجہ مکان سے نکلے اور ان سے یوں ارشاد فرمایا کہ تم اس فقیر بے سروپا سے کیا چاہتے ہو۔ اس صفت سے کچھ حاصل نہیں اس حالت پر اعتماد نہ چاہیے بہت سے بیگانے ایسے ہوتے ہیں جو پرندے کی طرح ہوا میں اڑتے ہیں حق طلبی اور ہی چیز ہے درویش یہ سن کر بہت ڈرے اس حال میں حضرت خواجہ نے ان سے کہا کہ چھکڑے میں مٹی بھر دو پھر آپ نے چھکڑے کی طرف اشارہ کیا چھکڑا خود بخود چلتا تھا اور مٹی گرا کر واپس آ جاتا تھا۔ حاضرین یہ دیکھ کر اپنے فعل سے پشیمان ہوئے۔

۱۷۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ نسف میں تھے جاڑے کا موسم تھا حضرت کو بخارا جانے کا اتفاق ہوا اسی سفر میں خواجہ محمد پارسا جو مولانا حافظ الدین کبیر بخاری کے صاحبزادوں سے تھے آپ کے ہمراہ تھے اس روز ابر ہو رہا تھا نسف کے درویشوں نے حضرت سے درخواست کی کہ ٹھہر جائیے مگر آپ نہ ٹھہرے۔ درویشوں کی ایک بڑی جماعت آپ کے ہم رکاب تھی مینہ برسنے لگا اور ہر لحظہ زیادہ ہوتا جاتا تھا حضرت نے خواجہ محمد پارسا کی طرف اشارہ کیا کہ مینہ سے کہہ دو ٹھہر جا۔ خواجہ محمد نے حضرت کی موجودگی میں ایسی گستاخی نہ کی حضرت نے فرمایا کہ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ یوں کہہ دے اے مینہ ٹھہر جا۔ پس محمد پارسا نے کہا اے مینہ ٹھہر جا۔ اسی وقت مینہ بند اور مطلع صاف ہو گیا اور سورج نکل آیا۔

۱۸۔ ایک درویش کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ غدیوت میں درویش اسحاق کے مکان میں کھانا تیار کر رہے تھے۔ تنور میں آگ شعلہ زن تھی اسی حالت میں آپ نے اپنا دست مبارک اس تنور میں ڈال دیا اور کچھ دیر رکھا بعد ازاں نکال لیا عنایت الٰہی سے دست مبارک کا بال تک نہ جلا:

خلیل اللہ با آتش ہے گفت
اگر موئے زمن باقیست ے سوز

یہ دیکھ کر حاضرین خوش وقت ہوئے۔

درویشی کیا ھے باھر رنگ اور اندر بے جنگ

۱۹۔ ایک درویش ناقل ہے کہ میں اور ایک اور درویش اس باغ میں جہاں اب حضرت خواجہ کا مزار مبارک ہے آپ کی خدمت میں تھے آپ تکیہ کئے بیٹھے تھے ایک ساعت کے بعد آپ میں ایک ہیبت ناک حالت پیدا ہوئی وہ درویش بیہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت اٹھ کر حوض کے گرد پھرنے لگے کچھ دیر کے بعد آپ نے ایک سیب کا درخت اپنی کولی میں لیا ایک لحظہ میں آپ کا وجود مبارک اتنا بڑا ہو گیا کہ تمام باغ اس سے پر ہو گیا جہاں میری نگاہ پڑتی تھی آپ کا وجود مبارک ہی دکھائی دیتا تھا بعد ازاں میں نے پھر جو نظر اٹھائی تو آپ کا وجود چھوٹا ہوتے لگا یہاں تک کہ اس کا نشان نہ رہا۔ میں نے پھر جو دیکھا تو آپ کے وجود مبارک کا اثر ظاہر ہوا یہاں تک کہ اصلی حالت پر آ گیا اور آپ وہی سیب کا درخت اپنی کولی میں لئے نظر آئے۔ میں نہایت حیران ہوا کہ یہ کیا حالتیں ہیں۔ اسی وقت حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایسے احوال حضرت عزیزاں علیہ الرحمۃ کی نسبت سے بھی منقول ہیں۔

۲۰۔ ایک روز حضرت خواجہ کا ایک درویش نیک روز نام سوخار سے آپ کی خدمت میں آیا وہ بہت دلگیر تھا۔ حضرت نے سبب پوچھا اس نے عرض کی کہ سوخار میں ایک شخص حسین نام نے مجھے بہت برا بھلا کہا مگر اس سے مجھے رنج نہ ہوا جب اس نے آپ کی بے ادبی کی تو مجھے نہایت رنج ہوا آپ نے فرمایا کہ وہ جلدی دنیا و آخرت میں رسوا ہو گا۔ نیک روز کا بیان ہے کہ جب حضرت خواجہ نے یہ فرمایا نماز دیگر کا وقت تھا میں آپ کی خدمت سے رخصت ہو کر نماز شام کے وقت سوخار میں پہنچا میں نے دیکھا کہ حسین اپنے خادم کے لئے زراعت میں کھانا لے جا رہا ہے۔ جب خادم کھانا کھانے لگا تو حسین اپنے خادم کا کام کرنے لگا۔ اسی وقت ایک بھیڑیا آیا جس نے لپک کر حسین کی ناک اور ہونٹ نوچ لئے اور اس کی شکل نہایت بھونڈی ہو گئی۔ وہ لوگوں میں رسوا ہو گیا اس کا قصہ مشہور ہو گیا اور حسین گرگ گرفتہ اس کا لقب ہوا۔

حضرت خواجہ کی کرامات بہت ہیں ہم نے نظر براختصار انہیں ہی پر اکتفا کیا ہے۔

وفات:

خواجہ علاؤ الدین عطار کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ کے انتقال کے وقت ہم سورہ یٰس پڑھ رہے تھے جب سورت نصف ہوئی تو انوار ظاہر ہونے لگے ہم کلمہ پڑھنے میں مشغول ہو گئے اس کے بعد حضرت خواجہ کا سانس منقطع ہو گیا۔ حضرت کی عمر شریف پورے تہتر سال کی تھی اور چوہترویں سال میں دوشنبہ کی رات ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ مزار مبارک قصر عارفاں میں ہے۔

کلمات قدسیہ:

اس راستے میں وجود کی نفی اور نیستی اور اپنے تئیں کم سمجھنا بڑا کام ہے، مقصد حقیقی کی دولت کا حاصل ہونا قبولیت پر موقوف ہے۔ میں نے اس معاملہ میں موجودات کے طبقوں میں سے ہر طبقہ کی سیر کی اور اپنے آپ کو ذروں میں سے ہر ذرے کے ساتھ مقابلہ کیا میں نے سب کو حقیقت میں اپنے آپ سے بہتر دیکھا یہاں تک کہ میں نے فضلات کے طبقہ کی سیر بھی کی اور ان میں فائدہ دیکھا مگر اپنے آپ میں کوئی فائدہ نہ پایا کتے کے فضلہ تک پہنچا مجھے خیال ہوا کہ اس میں کوئی فائدہ نہ ہوگا ایک مدت تک میں نے اپنے تئیں اس خیال پر برقرار رکھا۔ آخر کار معلوم ہوا کہ اس میں بھی کوئی فائدہ ہے غرض کہ مجھے تحقیق معلوم ہو گیا کہ مجھ میں کسی طرح کا کوئی فائدہ نہیں ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے:

از ہیچکسی خویشتن بے خبرم
از ہیچ سگے بہ نیم الا بترم
ہر چند بحال خویش ے نگرم
یک جبہ نیرز د زقدم تا بسرم

(میں اپنی ناقدری سے بے خبر ہوں، میں کسی کتے سے اچھا نہیں مگر بدتر ہوں میں ہر چند اپنے حال پر غور کرتا ہوں۔ میرے سر سے قدم تک ایک سب قدر و قیمت نہیں رکھتا۔)

۲۔ ایک دن ایک لڑکا گھر سے نکلا قرآن شریف اس کے پاس تھا اس نے حضرت خواجہ کو سلام کیا جب آپ نے قرآن کھولا تو یہ آیت نکلی:
"وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید" اور ان کا کتا اپنے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر پھیلا رہا ہے۔ (سورہ کہف)
خواجہ نے فرمایا کہ امید ہے کہ ہم وہ ہوں گے۔

عارف کرامت کی طرف نظر کرنے سے دور رکھے گئے ہیں

۳۔ کبار اہل حقیقت کا قول ہے کہ اس راستے کا سالک اگر اپنے نفس کو سو بار فرعون کے نفس سے بدتر نہیں جانتا وہ اس راستے میں نہیں ہے۔

۴: جن دنوں میں حضرت خواجہ شہر سرخس میں تھے۔ ملک حسین کے قاصد ہرات سے آئے اور انہوں نے بادشاہ کا فرمان دکھایا جس کا مضمون یہ تھا کہ ہمیں درویشوں کی صحبت کا اشتیاق ہے۔ آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں اگر چہ حضرات خواجہ کو ملوک وسلاطین کی ملاقات کی عادت نہ تھی لیکن اس سبب سے کہ اگر ملک حسین طوس یا سرخس کی طرف متوجہ ہوتا۔ تو اس ولایت کے باشندوں پر دشوار ہوتا۔ حضرت خواجہ بذات خود ہرات کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب بادشاہ کی مجلس میں پہنچے۔ وہاں بڑا ہجوم تھا اور مملکت ہرات کے اعیان و ارکان اور نوکر چاکروں کی ایک بڑی جماعت حاضر تھی۔ بادشاہ نے حضرت خواجہ سے سوال کیا کہ کیا آپ کی درویشی موروثی ہے؟ خواجہ نے جواب دیا کہ نہیں۔ بحکم جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلین ایک جذبہ پہنچا اور میں اس سعادت سے مشرف ہو گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ کیا آپ کے طریقہ میں ذکر جہر اور سماع وخلوت ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تمہارا طریقہ کیا ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ خواجہ عبدالخالق غجدوانی کے خاندان کا قول ہے کہ خلوت در انجمن چاہئے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ خلوت در انجمن کیا ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ ہونا۔

از دروں شو آشنا و زبروں بیگانہ وش
اینچنیں زیبا روش کم مے بود در جہاں

بادشاہ نے کہا کہ ایسا ہو سکتا ہے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنی کتاب کریم میں فرماتا ہے:
رجال لا تلھیھم تجارة ولا بیع عن ذکر اللہ (سورہ نور۔ ع ۵)
وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے۔

کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ولایت افضل ہے نبوت سے۔ وہ کونسی ولایت ہے جو نبوت سے افضل ہے۔ خواجہ نے فرمایا کہ اسی نبی کی ولایت افضل ہے اس کی نبوت سے۔

۵: اگر چہ نماز و روزہ اور ریاضت و مجاہدہ حق سبحانہ وتعالیٰ تک پہنچنے کا طریقہ ہے مگر ہمارے نزدیک وجود کی نفی سب طریقوں سے اقرب ہے اور یہ ترک اختیار اور دید قصور کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔

۶: ایک روز حضرت خواجہ کی زبان مبارک سے نکلا کہ اس راستے کے سالکوں کے لئے ماسوا کے ساتھ تعلق نہایت بڑا حجاب ہے۔ خواجہ صالح بن مبارک بخاری کے دل میں آیا کہ اس صورت میں ایمان و اسلام کے ساتھ تعلق بھی مضر ہونا چاہئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ کیا تو نے ابن منصور حلاج کی یہ بیت نہیں سنی۔

کفرت بدین اللہ والکفر واجب لدی وعند المسلمین قبیح
میں اللہ کے دین سے کافر ہوا اور یہ کفر میرے نزدیک واجب اور مسلمانوں کے نزدیک برا ہے

پھر فرمایا کہ ایمان و اسلام حقیقی درکار ہے۔ اہل حقیقت نے ایمان کی تعریف یوں کی ہے:
الایمان عقد القلب بنفی جمیع ما تولھت القلوب الیہ من المضار والمنافع سوی اللہ عزوجل
ایمان یہ ہے کہ اللہ عزوجل کے سوا وہ تمام مضار و منافع جن پر دل شیدا ہیں ان کی نفی کا اعتقاد جازم رکھے۔

۷: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز مومن کی معراج ہے یہ ارشاد نماز حقیقی کے درجات کی طرف اشارہ ہے۔ بدیں طور کہ نماز میں تکبیر تحریمہ

کے وقت چاہئے کہ حضرت حق جل وعلا کی اکبریت نمازی کے وجود میں حال ہو جائے اور اس میں خشوع وخضوع پیدا ہو جائے یہاں تک کہ استغراق کی حالت طاری ہو جائے اس صفت کا کمال جناب رسالت مآب ﷺ کو حاصل تھا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ نماز میں پیغمبر ﷺ کے سینہ مبارک سے تانبے کی دیگ کے جوش کی مانند آواز آیا کرتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

۸: بخارا کے علماء میں سے ایک عالم نے حضرت خواجہ سے سوال کیا کہ نماز میں حضور کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟ خواجہ نے فرمایا کہ طعام حلال سے جو وقوف وآگاہی سے کھایا جائے۔ نماز سے خارج اوقات میں اور وضو اور تکبیر تحریمہ کے وقت بھی وقوف کی رعایت چاہئے۔

۹: حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے واسطے ہے یہ صوم حقیقی کی طرف اشارہ ہے جو ماسوائے حق سے امساک کلی کا نام ہے۔

۱۰: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ آتش دوزخ سے میری امت کا نصیب ایسا ہے جیسا کہ آتش نمرود سے ابراہیم کا نصیب تھا اور نیز ارشاد ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی ان حدیثوں میں امت سے مراد امت متابعت ہے۔ امت تین قسم کی ہے۔ ایک امت دعوت جس میں سب شامل ہیں دوسرے امت اجابت جو ایمان لائے ہیں۔ تیسرے امت متابعت جو ایمان لا کر حضرت ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔

۱۱: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے کہ مجھ میں اس وقت میں کوئی مقرب فرشتہ نہیں سماتا اور نہ نبی مرسل۔ اس ارشاد کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ میرا ایک حال ایسا ہوتا ہے کہ اس حال میں کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل ملحوظ نہیں ہوتا۔ یہ حال مبتدی کا بھی بعض اوقات میں ہوا کرتا ہے۔ دوسرے معنی یہ کہ میرا ایک حال ایسا ہوتا ہے کہ وہ حال مقرب فرشتہ اور مرسل کے حال سے اعلیٰ واشرف ہوتا ہے۔

۱۲۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں ایک کم سو۔ جو شخص ان کو احصا کرے وہ بہشت میں داخل ہوگا اس ارشاد میں احصا کرنے کے معنی ایک یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کے ناموں کو شمار کرے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان ناموں کو جانے اور ایک معنی یہ ہے کہ ہر نام کے مقتضا کے موافق عمل کر سکے۔ مثلاً جب رزاق کہے تو روزی کا غم اس کے دل پر بالکل نہ گزرے اور جب متکبر کہے تو عظمت وکبریائی و بادشاہی کو خدا ہی کی ملک سمجھے۔

حضرت خواجہ سے سوال کیا گیا کہ جب ننانوے کا ذکر کیا گیا تو ایک کم سو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے فرمایا کہ بطور تاکید کے اس واسطے مذکور ہوا کہ عرب کو حساب میں کچھ مہارت نہ تھی اور نہ ان کو اس طرف توجہ تھی۔ اسی سبب سے جناب رسالت مآب ﷺ نے مہینہ کے دنوں کی تعداد بیان کرنے کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اٹھا کر اشارہ فرمایا کہ مہینہ ایسا ہوتا ہے، ایسا ہوتا ہے، اور تیسری بار نو انگلیاں اٹھائیں اور محسوس کرا دیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور زبان مبارک سے نہ فرمایا۔

۱۳۔ تیرا حجاب تیرا وجود ہے۔ دع نفسک و تعال یعنی اپنے نفس کو دروازے پر چھوڑ اور اندر جا۔

از تو تا دوست رہ ہے نیست توئی
در رہ خاشاک و خسے نیست توئی

صحیح حدیث میں جو اماطۃ الاذیٰ عن الطریق آیا ہے اس سے وجود بشریت کی نفی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث قدسی میں جو وارد ہے کہ نفسک مطیتک فارفق بھا (تیرا نفس تیری سواری ہے تو اس کے ساتھ نرمی کر) یہ نفس مطمئنہ کی طرف اشارہ ہے جو الا ما رحم ربی کی خلعت سے مشرف ہو گیا ہے۔

۱۴۔ ولایت ایک نعمت ہے، ولی کو چاہیئے کہ جانے کہ میں ولی ہوں تا کہ اس نعمت کا شکر ادا کریں۔ عنایت الٰہی ولی کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس کو بحال خود نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اس کو بشریت کی آفتوں سے بچایا جاتا ہے۔ خوارق عادات احوال وکرامات کے ظہور کا کچھ اعتبار نہیں، افعال واقوال میں استقامت درکار ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب حقائق التفسیر میں آیت فاستقم کما امرت کی تفسیر میں ارباب حقیقت میں سے ایک سے نقل کیا ہے کہ تو استقامت کا طالب بن اور کرامت کا طالب نہ بن کیونکہ تیرا رب تجھ سے استقامت طلب کرتا ہے اور تیرا نفس تجھ سے کرامت طلب کرتا ہے۔

صوفیہ کرام کے اقوال میں سے ہے کہ اگر ولی باغ میں آئے اور درختوں کے ہر پتے سے یہ آواز آئے یا ولی اللہ، تو چاہیئے کہ ظاہر و باطن میں اسے اس آواز کی طرف کچھ التفات نہ ہو بلکہ بندگی وتضرع میں اس کی کوشش ہر لحظہ زیادہ ہو۔ اس مقام کا کمال حضرت مصطفیٰ ﷺ کو حاصل

تھا کہ خدا کا احسان واکرام، انعام آپ پر جس قدر زیادہ ہوتا اسی قدر آپ کی بندگی اور نیاز مندی اور مسکنت زیادہ ہوتی۔ اسی وجہ سے آپ فرماتے ''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

۱۵۔ گروہ صوفیہ کی تین قسمیں ہیں۔ مقلد، کامل، کامل مکمل۔ مقلد اس پر عمل کرتا ہے جو اپنے شیخ سے سن لیتا ہے، کامل فیض رسانی میں اپنی ذات سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ دوسروں کی تربیت سوائے کامل مکمل کے نہیں کرتا اور نہیں کر سکتا۔

۱۶۔ ہمارا طریقہ نوادر سے ہے اور محکم دست آویز ہے اور سنت مصطفےٰ ﷺ کے دامن کو پکڑنا اور آپ کے صحابہ کرام کے آثار کی پیروی کرنا ہے۔ اس راہ میں ہمیں بفضل الٰہی لایا گیا ہے۔ اول سے آخر تک ہم نے یہی فضل الٰہی مشاہدہ کیا ہے نہ کہ اپنا عمل، اس طریقہ میں تھوڑے سے عمل سے بہت فتوح حاصل ہوتی ہیں مگر سنت کی متابعت کی رعایت بڑا کام ہے۔

۱۷۔ ہمارا طریق صحبت ہے کیونکہ خلوت میں شہرت ہے اور شہرت میں آفت ہے۔

۱۸۔ خیریت جمعیت میں ہے اور جمعیت صحبت میں ہے بشرطیکہ ایک دوسرے میں نفی ہو جائیں۔

۱۹۔ مرشد کو چاہیئے کہ طالب کے تینوں حال (ماضی، حال، مستقبل) سے باخبر ہو تا کہ اس کی تربیت کر سکے۔ طالب کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ جس وقت خدا تعالیٰ کے دوستوں میں سے کسی دوست کی صحبت میں ہو اپنے حال سے واقف ہو اور صحبت کے زمانہ کا گزشتہ زمانہ سے مقابلہ کرے پس اگر وہ نقصان سے کمال کی طرف کچھ تفاوت دیکھے تو بحکم اصبت فالزم اس بزرگ کی صحبت کو اپنے اوپر فرض جانے۔

۲۰۔ طریقہ سب ادب ہی ادب ہے۔ طلب راہ کی ایک شرط ادب ہے۔ ایک ادب حق سبحانہ کی نسبت ہے اور ایک پیغمبر ﷺ کی نسبت ہے اور ایک ادب مشائخ طریقت کی نسبت ہے۔ حق تعالیٰ کی نسبت ادب یہ ہے کہ ظاہر و باطن میں بشرط کمال بندگی اس کے حکموں کو بجالائے اور ماسوا سے بالکل منہ پھیر لے۔ پیغمبر ﷺ کی نسبت ادب یہ ہے کہ اپنے تئیں ہمہ تن آپ کی اتباع و پیروی کے مقام میں رکھے اور تمام حالات میں آپ کی واجب خدمت کو نگاہ رکھے اور آپ کو تمام موجودات اور حق سبحانہ کے درمیان واسطہ سمجھے۔ جو کوئی ہے اور جو کچھ ہے سب کا سر آپ کے آستان عزت پر ہے۔ جو ادب مشائخ کی نسبت طالبوں پر لازم و واجب ہے وہ اس جہت سے ہے کہ مشائخ سنت پیغمبر ﷺ کی پیروی کے سبب سے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ لوگوں کو حق کی طرف بلائیں پس درویش کو چاہیئے کہ غیبت وحضور میں ان کا ادب ملحوظ رکھے۔

۲۱۔ ذکر کی تعلیم کسی کامل مکمل سے ہونی چاہیئے تا کہ مؤثر ہو اور اس کا نتیجہ ظہور میں آئے۔ تیر بادشاہ کی ترکش سے لینا چاہیئے تا کہ شایان حمایت ہو۔

۲۲۔ وقوف عددی علم لدنی کا اول مرتبہ ہے

۲۳۔ لا الٰہ نفی الٰہ طبیعت ہے اور الا اللہ اثبات معبود بحق اور مقصود ذکر سے یہ ہے کہ ذاکر کلمہ توحید کی حقیقت کو پہنچ جائے بہت دفعہ کہنا شرط نہیں اور کلمہ توحید کی حقیقت یہ ہے کہ اس کلمہ کے کہنے سے ماسوا بالکل نفی ہو جائے۔

۲۴۔ وقوف زمانی جو سالک کا کارگزار ہے یہ ہے کہ سالک اپنے احوال سے واقف رہے کہ ہر زمانہ میں اس کا حال کیسا ہے۔ موجب شکر ہے یا موجب عذر خواہی۔

۲۵۔ سالکین خواطر شیطانی و نفسانی کے دور کرنے میں متفاوت ہیں۔ بعضے ایسے ہیں کہ پیشتر اس کے نفس و شیطان سے کوئی خطرہ دل میں آنے اسے دیکھ لیتے ہیں اور وہیں سے اس کو دور کر دیتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ جب کوئی خطرہ دل میں آتا ہے تو اسے قرار پکڑنے سے پہلے دفع کر دیتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں کہ خطرہ کو قرار پکڑنے کے بعد دفع کرتے ہیں مگر یہ چنداں مفید نہیں ہاں اگر اس کے منشا اور اس کے انتقالات کے سبب کو معلوم کر لیں تو فائدہ سے خالی نہیں۔

۲۶۔ راہ کہ جس کے ذریعے عارف مقصود حقیقی کو پا لیتے ہیں اور دوسرے محروم رہ جاتے ہیں تین ہیں۔ مراقبہ، مشاہدہ، محاسبہ۔ خالق کی طرف دوام نظر اور مخلوق کی رویت کا نسیان مراقبہ کہلاتا ہے۔ یعنی سالک کو چاہیئے کہ ہر وقت جناب احدیت کی طرف نظر رکھے اور تمام مخلوق کی ہستی کی پیشانی پر نیستی و فنا و نسیان کا خط کھینچ دے۔ مراقبہ کا دوام نادر چیز ہے۔ اس گروہ میں سے کم ہیں جنہوں نے یہ بات حاصل کی ہے ہم نے اس کے حصول کا طریق معلوم کر لیا ہے اور وہ نفس کی مخالفت ہے۔ مشاہدہ سے مراد ان واردات غیبیہ کا معائنہ ہے جو دل پر نازل ہوتے ہیں چونکہ وارد جلد گزرنے والا ہے اور قرار نہیں پکڑتا ہم اس وارد کا ادراک نہیں کر سکتے مگر صفت بسط و قبض سے جو ہم میں پیدا ہوتی ہے اسے معلوم کر لیتے ہیں۔ قبض میں صفت جلال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور بسط میں صفت جمال کا۔ محاسبہ یہ ہے کہ ہر ساعت جو کچھ ہم پر گزرے اس کا حساب کریں کہ اس میں غفلت کیا اور حضور کیا ہے۔ اگر دیکھیں کہ سراسر نقصان ہے تو باز گشت کریں اور عمل کو از سر نو کریں۔ چونکہ راستہ ان تین

میں منحصر ہے اور دوسرے لوگ ان کا غیر طلب کرتے ہیں اس لئے محروم رہ جاتے ہیں۔

۲۷۔ جس شخص نے اللہ کو پہچان لیا اس پر کوئی شے پوشیدہ نہیں رہتی۔ حضرت خواجہ علاؤالدین فرماتے تھے کہ اس کلمہ قدسیہ سے حضرت خواجہ کی مراد یہ ہے کہ عارف پر اشیاء کا ظاہر ہونا اس کی توجہ پر موقوف ہے۔

۲۸۔ مشائخ میں سے ہر ایک کے آئینہ کی دو جہت اور ہمارے آئینہ کی چھ جہت ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ اس کلمہ قدسیہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ آئینہ سے مراد عارف کا قلب ہے جو روح و نفس کے درمیان واسطہ ہے اور دو جہت سے مراد جہت روح اور جہت نفس ہے۔ دوسرے طریقوں کے مشائخ جب مقام قلب پر پہنچتے ہیں تو قلب کی دونوں جہت منکشف ہو جاتی ہیں اور دونوں مقاموں کے علوم و معارف جو مناسب قلب ہیں فائض ہوتے ہیں بخلاف حضرت خواجہ قدس سرہ کے طریق کے کہ اس میں آئینہ قلب کے لئے چھ جہات پیدا ہو جاتی ہیں اس کا بیان یوں ہے کہ اس طریقہ علیہ کے اکابر پر یہ بات منکشف ہو گئی ہے کہ لطائف ستہ (نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفی) جو کلیہ افراد انسانی میں ثابت ہیں وہ تنہا قلب میں بھی متحقق ہیں۔ چھ جہت سے حضرت خواجہ کی مراد لطائف ستہ قلب ہیں۔ پس باقی مشائخ کی سیر ظاہر قلب پر ہے اور مشائخ نقشبندیہ کی سیر باطن قلب میں ہے اور وہ اس سیر سے قلب کے بطن بطون میں پہنچ جاتے ہیں اور مقام قلب میں ان پر ان چھ لطیفوں کے علوم و معارف جو اس مقام کے مناسب ہیں منکشف ہو جاتے ہیں۔ (رسالہ مبدا و معاد۔)

۲۹۔ چالیس سال سے ہم آئینہ داری کرتے ہیں۔ ہمارے آئینہ نے کبھی غلطی نہیں کی۔ اس سے حضرت خواجہ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اولیاء اللہ جو کچھ دیکھتے ہیں نور فراست سے دیکھتے ہیں جو حضرت لایزال نے ان کو عطا کیا ہے جو کچھ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہوتا ہے وہ بے شک صواب و درست ہوتا ہے۔

شیخ عبد القدوس جو قطب اولیائے عزلت تھے فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ قدس سرہ کی سیر آسمان و زمین کے تمام طبقات میں جاری تھی۔

۳۰۔ حضرت عزیزاں علیہ رحمۃ الرحمٰن کا ارشاد ہے کہ زمین اس گروہ کی نظر میں دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ روئے ناخن کی طرح ہے۔ کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔ منقول ہے کہ ارشاد مذکور کے وقت عزیزاں دسترخوان پر تھے۔ اسی کے مناسب یہ فرمادیا اور حضرت خواجہ نے نعت دائرہ ولایت کی نسبت سے فرمایا ہے ورنہ عارف کے دل کی بزرگی کی شرح نہیں ہو سکتی۔

۳۱۔ اگر درویش کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے۔ اسے پہچاننا چاہئے کہ یہ کہاں سے ہے۔

۳۲۔ حدیث میں ہے الکاسب حبیب اللہ یعنی کسب کرنے والا اللہ کا حبیب ہے اس حدیث میں کسب رضا کی طرف اشارہ ہے نہ کہ کسب دنیا کی طرف۔

۳۳۔ جو شخص اپنے تئیں بکلیت خود حضرت حق تعالےٰ وتقدس کے سپرد کر دے۔ اس کا غیر حق جل وعلا سے التجا کرنا شرک ہے۔ یہ شرک عام لوگوں کے لئے معاف ہے مگر خواص کے لئے معاف نہیں۔

۳۴۔ متوکل کو چاہئے کہ اپنے تئیں متوکل خیال نہ کرے اور اپنے توکل کو کسب میں چھپائے۔

۳۵۔ حق تبارک وتعالیٰ نے مجھے دنیا کی خرابی کے لئے موجود کیا ہے اور لوگ مجھ سے دنیا کی عمارت طلب کرتے ہیں۔

۳۶۔ اگر اس وجود سے خراب کوئی اور وجود ہوتا تو فقر کے اس خزانہ کو وہاں رکھتے کیونکہ خزانہ ہمیشہ ویرانہ میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔

۳۷۔ اہل اللہ بار خلق اس لئے اٹھاتے ہیں کہ ان کے اخلاق کی اصلاح ہو جائے یا کسی ولی سے ملاقات ہو جائے۔ اس لئے کہ کوئی ولی ایسا نہیں کہ حضرت حق کی نظر عنایت اس کی طرف نہ ہو خواہ وہ ولی اس سے واقف ہو یا نہ ہو۔ پس جو شخص اس ولی سے ملے گا۔ اس نظر الٰہی سے اس کو فیض پہنچے گا۔

صد سفرہ بد شمن کشد طالب مقصود
باشد کہ یکے دوست بیاید بضیافت

۳۸۔ تو شمع کی طرح بن۔ تو شمع کی طرح نہ بن۔ شمع کی طرح بن بدیں معنے کہ تو دوسرے کو روشنی پہنچائے۔ اور شمع کی طرح نہ بن بدیں معنے کہ تو اپنے تئیں تاریکی میں رکھے۔

۳۹۔ جس شخص نے کسی روز ہمارا جوتا بھی سیدھا کیا ہے ہم اس کی شفاعت کریں گے۔

۴۰۔ اس راستے میں صاحب پندار وتکبر کا کام نہایت مشکل ہے۔

۴۱۔ درویش کو چاہئے کہ جو کچھ کہے حال سے کہے۔ مشائخ طریقت کا قول ہے کہ جو شخص ایسے حال سے کلام کرتا ہے جو اس میں نہیں ۔ حق تعالیٰ کبھی اس کو اس حال کی سعادت نہ بخشے گا۔

۴۲۔ یہ ضروری نہیں کہ جو دوڑے وہ گیند لے جائے مگر ملتی اسی کو ہے جو دوڑتا ہے۔ یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس راہ میں ہمیشہ کوشش کرتا رہے۔

۴۳۔ حضرت پیغمبر ﷺ کی دعا کی برکت سے مسخ صورت اس امت سے مرتفع ہے مگر مسخ باطن باقی ہے۔

اندریں است نباشد مسخ تن
لیک مسخ دل بود اے ذوالفطن

۴۴۔ اولیاء کو اسرار پر آگاہی ہے اور آگاہی دی جاتی ہے لیکن وہ بغیر اجازت کے ان کو ظاہر نہیں کرتے ، کہتے ہیں کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اسے چھپاتا ہے اور جس کے پاس کچھ نہیں وہ شور مچاتا ہے "اسرار کا چھپانا ابرار کا کام ہے"۔

۴۵۔ ہم میں سے کچھ خواطر اور اعمال وافعال خلق کے اظہار کی نسبت صادر ہوتا ہے اس میں ہم درمیان نہیں یا تو الہام سے ہمیں آگاہ کر دیتے ہیں یا کسی کے واسطہ سے ہم تک پہنچا دیتے ہیں۔

۴۶۔ درویشی کیا ہے؟ باہر رنگ اور اندر بے جنگ۔

تادریں خرقہ ایم از کس ما
ہم نہ رنجیم وہم نرنجانیم

۴۷۔ میں نے اکابرین میں سے ایک سے پوچھا کہ درویشی کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ زبونی اور خواری۔

۴۸۔ درویش کو تحمل وبرداشت کے مقام میں ڈھول کی طرح رہنا چاہئے کہ ہر چند طمانچہ کھائے مگر صدائے مخالف اس سے ظاہر نہ ہو۔

۴۹۔ درویش اہل نقد ہیں۔ آئندہ پر نہیں چھوڑتے۔

امروز بیں بدیدہ باطن جمال دوست
اے بیخبر حوالہ بفر واچہ مے کنی

الصوفی ابن الوقت اشارہ اسی صفت کی طرف ہے

خرد مند زانکس تمرا کند
کہ ادکار امروز فردا کند

۵۰۔ حضرت خواجہ سے سوال کیا گیا کہ کوئی علم منطق پڑھے۔ تو کس نیت سے پڑھے؟ فرمایا کہ حق و باطل میں امتیاز کی نیت سے۔

۵۱۔ جس شخص کی قابلیت کا بیضہ مختلف صحبتوں کے سبب سے فاسد ہو گیا اس کا معاملہ دشوار ہے۔ سوائے اہل تدبیر (اولیاء اللہ) کی صحبت کے جو سرخ گندھک کی طرح کمیاب ہے درست نہیں ہو سکتا۔

جز صحبت عاشقان مستاں مپسند
دل در ہوس قوم فرومایہ مبند

ہر طائفہ ات بجائے خویش کشند
چغدت سوے ویرانہ طوطی سوے قند

۵۲۔ خواجہ مسافر خوارزمی کا بیان ہے کہ میں حضرت خواجہ بہاؤالدین قدس سرہ کی صحبت میں بہت رہا کرتا تھا اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا، مگر سماع (راگ) کی طرف میرا بہت میلان تھا۔ ایک روز میں نے آپ کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ اتفاق کیا کہ قوال دو فافہ کو حاضر کریں اور حضرت خواجہ کی مجلس میں سماع میں مشغول ہو جائیں۔ دیکھیں حضرت خواجہ کیا فرماتے ہیں ہم نے ایسا ہی کیا اور گانے بجانے والوں کو لے آئے۔ حضرت خواجہ اس مجلس میں بیٹھے اور کسی طرح منع نہ فرمایا۔ اخیر میں آپ نے فرمایا کہ ہم یہ کام نہیں کرتے اور انکار بھی نہیں کرتے۔

۵۳۔ بندہ کے اختیار کے ثابت کرنے میں بہت سعادت ہے تا کہ اگر کوئی عمل رضائے حق سبحانہ کے خلاف اس سے سرزد ہو جائے اور وہ اپنا اختیار سمجھے تو شرم کے مارے عذر وانابت میں مشغول ہو جائے اور اگر رضائے حق تعالیٰ کے موافق اور اپنا اختیار سمجھے تو اس کی توفیق کا شکر کرے۔

۵۴۔ مشائخ کا قول ہے: المجاز قنطرة الحقیقة (مجاز حقیقت کا پل ہے)

اس سے مراد یہ ہے کہ تمام عبادات ظاہری قولی ہوں یا فعلی مجاز ہیں جب تک سالک ان سے نہ گذرے گا حقیقت کو نہ پہنچے گا۔

۵۵۔ اگر طالب کو اپنے شیخ مقتداء کے معاملہ میں کوئی مشکل پیش آئے۔ تو چاہئے کہ حتی المقدور صبر کرے اور بے اعتقاد نہ ہو جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی حکمت اس پر ظاہر ہو جائے اور اگر صبر کی طاقت نہیں اور مبتدی ہو تو شیخ سے دریافت کر لے کیونکہ اس کے لئے سوال جائز ہے اور اگر طالب متوسط الحال ہو تو سوال نہ کرے۔

۵۶۔ ماوراء النہر کے بڑے بڑے اہل اللہ میں سے ایک نے حضرت خواجہ سے پوچھا کہ سیر و سلوک سے مقصود کیا ہے؟ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مقصود معرفت تفصیلی ہے۔ اس بزرگوار نے پھر دریافت کیا کہ معرفت تفصیلی کسے کہتے ہیں؟ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ معرفت تفصیلی سے مراد یہ ہے کہ حضرت مخبر صادق ﷺ سے جو کچھ بطریق اجمال قبول کیا گیا ہے اسے بطریق تفصیل پہچانا جائے اور دلیل و برہان کے مرتبہ سے کشف و عیاں کے مرتبہ تک رسائی ہو جائے۔

۵۷۔ حضرت خواجہ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ بلا اور بلوے میں کیا فرق ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ بلا بہ نسبت ظاہر ہے اور بلوے بہ نسبت باطن۔

۵۸۔ حضرت خواجہ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ جس وقت حق تعالیٰ کسی درویش سے کوئی حال واپس کر لے۔ وہ کیا کرے۔ فرمایا کہ اگر اس حال کا کچھ بقیہ باقی ہے تو وہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے تضرع و نیاز مطلوب ہے۔ پس وہ حق تعالیٰ سے اس کا سوال کرے اور اگر کچھ بھی باقی نہیں رہا تو وہ اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے صبر و رضا مطلوب ہے۔

۵۹۔ خدا طلبی بلا طلبی ہے۔ احادیث قدسیہ میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جس نے مجھے دوست رکھا میں نے اسے ابتلاء میں ڈالا" یہ بات ظاہر ہے کہ وظیفہ محبت کو لازم ہے کہ محب محبوب کا جویاں ہو۔ محبوب جس قدر زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ اس کی طلب کی راہ میں بلا زیادہ ہوتی ہے اور احادیث میں وارد ہے کہ ایک شخص نے جناب رسالتمآب ﷺ کی خدمت کی عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو فقر کے لئے تیار رہ۔ ایک اور شخص نے عرض کیا کہ میں خدا کو دوست رکھتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ بلا کے لئے تیار رہ۔

۶۰۔ حضرت خواجہ قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ کرامات کے بارے میں درویش کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ "کرامتوں کا کیا ذکر جو کچھ کہ ہے کلمہ توحید کی حقیقت کے مقابلہ میں نفی ہے۔ اصحاب کرامت سب کے سب محجوب ہیں اور عارف کرامت کی طرف نظر کرنے سے دور رکھے گئے ہیں"۔

۶۱۔ حضرت خواجہ قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ اہل اللہ کو جو لوگوں کے خطرات و احوال و اعمال کی بصیرت و شناخت ہوتی ہے وہ کہاں سے ہے۔ فرمایا کہ اس نور کی فراست سے ہوتی ہے جو حق تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے "تم مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔

۶۲۔ لوگوں نے حضرت خواجہ قدس سرہ سے کرامت طلب کی۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری کرامت ظاہر ہے کہ با وجود اتنے گناہوں کے ہم روئے زمین پر چل سکتے ہیں۔

۶۳: مرید سے احوال کا ظاہر ہونا شیخ کی کرامت ہے۔

۶۴: حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہ سے لوگوں نے پوچھا کہ ہم آپ کے جنازہ کے آگے کونسی آیت پڑھیں۔ شیخ نے فرمایا یہ بیت پڑھنا:

چیست ازیں خوبتر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بنزدیک یار

حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ پڑھنا بڑا کام ہے تم ہمارے جنازے کے آگے یہ بیت پڑھنا:

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال روئے تو

۶۵: حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کا بیان ہے کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ میں نے مکہ معظمہ میں زاد اللہ تعالیٰ شرفاً و کرامۃً دو شخصوں کو دیکھا ایک نہایت بلند ہمت دوسرا نہایت پست ہمت۔ پست ہمت وہ تھا جسے میں نے طواف میں دیکھا کہ خانہ کعبہ کے دروازے کے

حلقہ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے اور ایسی شریف جگہ اور ایسے عزیز وقت میں حق سبحانہ کے سوا کچھ اور مانگ رہا ہے۔ بلند ہمت وہ نوجوان تھا جسے میں نے بازار منیٰ میں دیکھا کہ کم وبیش پچاس ہزار دینار کا سودا خرید و فروخت کیا اور اس عرصہ میں اس کا دل ایک لحہ حق سبحانہ سے غافل نہ ہوا۔

۶۶۔ حضرت خواجہ قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ بعض مشائخ کا ارشاد ہے کہ الصوفی غیر مخلوق (صوفی غیر مخلوق ہے) اس کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا کہ بعض اوقات صوفی کے لئے ایک وصف وصال ہوتا ہے کہ وہ نابود ہوتا ہے۔ مشائخ کا یہ قول اسی وقت کی نسبت ہے ورنہ صوفی مخلوق ہے۔

۶۷۔ حضرت خواجہ قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ سوفیہ کرام کا قول ہے کہ فقیر اللہ کا محتاج نہیں۔ اس قول سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ سوال کرنے کی حاجت کی نفی ہے۔ حسبی من سوالی علمه بحالی اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔

۶۸۔ حضرت خواجہ قدس سرہ سے دریافت کیا گیا کہ اذا تم الفقر فهو الله کے کیا معنی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بندہ کی فنا و نیستی اور اس کی صفات کے محو ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

۶۹۔ یہ جو مشائخ کا قول ہے کہ ''عارف کی معرفت صحیح نہیں ہوتی جس وقت وہ خدا سے تضرع کرتا ہے'' یہ بندہ کی ہستی اور اس کی صفات کے باقی رہنے کی طرف اشارہ ہے۔

۷۰۔ ایک شخص نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں شخص بیمار ہے اور آپ کے دل مبارک کی توجہ کا طالب ہے آپ نے فرمایا پہلے خستہ دل کی حاجت، اس کے بعد شکستہ دل کی توجہ۔

۷۱۔ ہمارا روزہ ماسوا کی نفی اور ہماری نماز مقام مشاہدہ ہے۔ یہ رباعی آپ کی ہے:

تا روے تو دیدہ ام من اے شمع طراز
نے کار کنم نہ روزہ دارم نہ نماز
در بے تو بوم نماز من جملہ مجاز
چوں با تو بوم مجاز من جملہ نماز

۷۲۔ بیس سال سے بفضل خدا ہم مقام بے صفتی سے مشرف ہیں۔

۷۳۔ حقیقت اخلاص فنا کے بعد حاصل ہوتی ہے جب تک بشریت غالب ہوتی ہے حاصل نہیں ہوتی۔

ساقی قدحے کہ نیم مستیم مخمور صباحیٔ الستیم
مارا تو بما ممال کہ تاما بو خویشتیم بت پرستیم

۷۴۔ ہم طفیلی ہیں۔ ہم دو سو آدمی تھے۔ جنہوں نے طلب کے کوچہ میں قدم رکھا۔ مگر فضل الٰہی مجھ پر ہوا۔

۷۵۔ جو کچھ دیکھا گیا اور سنا گیا اور سمجھا گیا وہ سب غیر ہے اور حجاب ہے حقیقت کلمہ لا سے اس کی نفی کرنی چاہئے۔

حضرت مجدد الف ثانی حضرت خواجہ کے اخیر کلمہ قدسیہ کو نقل کر کے یوں تحریر فرماتے ہیں ''پس کثرت میں وحدت کا شہود بھی شایان نفی ہوا اور جو کچھ شایان نفی ہے وہ اس جناب قدس سے منفی ہے۔ حضرت خواجہ کے اس کلام نے مجھے اس شہود سے نکالا ہے اور مشاہدہ و معاینہ کی گرفتاریوں سے نجات بخشی ہے اور لباس کو علم سے جہل کی طرف اور معرفت سے حیرت کی طرف لے گیا ہے۔ جزاه الله سبحانه عنی خیر الجزاء۔ میں اس ایک بات سے حضرت خواجہ کا مرید ہوں اور ان کا غلام ہوں۔ حق یہ ہے کہ اولیاء میں سے کم کسی نے ایسی عبارت کے ساتھ کلام کیا ہے اور تمام مشاہدات و معاینات کو اس طریق پر نفی کیا ہے۔ اس مقام پر حضرت خواجہ کے اس ارشاد ''خدا کی معرفت بہاؤالدین پر حرام اگر اس کی ابتدا بایزید کی انتہاء نہ ہو'' کی حقیقت تلاش کرنی چاہئے۔ کیونکہ بایزید باوجود اس بزرگی کے شہود و مشاہدہ سے آگے نہیں بڑھے۔ اور انہوں نے سبحانی کے کوچہ سے قدم باہر نہیں رکھا مگر حضرت خواجہ نے ایک کلمہ لا سے بایزید کے تمام مشاہدات کی نفی کر دی اور سب کو غیر حق جل سلطانہ قرار دیا۔ حضرت بایزید کی تنزیہ حضرت خواجہ کے نزدیک تشبیہ ہے اور ان کا بیچون حضرت خواجہ کے نزدیک چوں اور ان کا کمال حضرت خواجہ کے نزدیک نقص ہے۔ اس لئے حضرت بایزید کی انتہاء جو تشبیہ سے آگے نہیں بڑھی ہے حضرت خواجہ کی ابتدا ہوگی۔ کیونکہ بدایت تشبیہ سے ہے اور انتہا تنزیہ پر ہے۔ شاید آخر حال میں حضرت بایزید کو اس نقص کی اطلاع دی گئی کہ وہ مرگ کے وقت فرماتے تھے:

ما ذكرتك الا عن غفلة وما خدمتك الا عن فترة

میں نے تجھے یاد نہیں کیا مگر غفلت سے اور میں نے تیری خدمت نہیں کی مگر سستی سے۔

وجہ یہ کہ انہوں نے حضور سابق کو غفلت جانا کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کا حضور نہ تھا بلکہ ظلال میں سے ایک ظل کا اور ظہورات میں سے ایک ظہور کا حضور تھا۔ پس ناچار وہ حضرت جل سلطانہ سے غافل ٹھیرے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ وراء الوراء ہے۔ ظلال وظہورات تمام مبادی ومقدمات اور معارج ومعدات سے ہیں اور وہ جو حضرت خواجہ نے فرمایا ہے کہ ہم نہایت کو بدایت میں درج کرتے ہیں مطابق واقع ہے کیونکہ ابتداء سے ان کی توجہ احدیت صرف کی طرف ہوتی ہے اور اسم وصفت سے بجز ذات ان کی مراد نہیں ہوتی۔ اس طریقہ عالیہ کے مبتدیوں کو یہ دولت بطریق انعکاس شیخ مقتدا سے جو اس کمال سے مشرف ہو حاصل ہوتی ہے خواہ وہ مبتدی جانیں یا نہ جانیں۔ پس ناچار دوسرے طریقوں کے کامل مشائخ کی نہایت ان بزرگوں کی بدایت میں مندرج ہوگی۔

(انیس الطالبین مولفہ خواجہ صالح بن مبارک بخاری خلیفہ مجاز حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ۔ رشحات۔ نفحات)

✿ ✿ ✿

حضورِ شوق کی جنت بستی

حافظ شیخ محمد قاسم

دنیا کے نقشہ پر کہتے ہیں قدیم ترین شہر مکہ ہے۔ اس میں اللہ کا گھر ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ انوارِ الٰہیہ کی جلوہ گاہ ہے۔ اس امن والے شہر میں اللہ کے محبوب کی ولادت ہوئی۔ شہرِ دلبر کا ہر ذرہ ہدایت کا نشان ہو گیا۔ یہ نبیوں کی گذرگاہ بھی ہے اور جلوہ گاہ بھی۔ اسے رحمتوں کی آماجگاہ ہونے کی سعادت بھی حاصل ہے۔ یہاں ثواب العبادات لاکھ گنا زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس کی زیارت کے لیے عشاق کے قافلے ہر موسم میں چلتے ہی رہتے ہیں۔ رحمتوں کے سے ایک قافلہ چلا کر شوق محبت زیارت سے دوآتشہ ہو ہمیں بھی شاہ جی کی معیت میں اس خاکِ نور پر بوسہ زن ہونے کا موقع ملا۔ حج و عمرہ ویسے بھی مغفرت ذنوب کا ذریعہ ہوتے ہیں لیکن جب کوئی خضرِ راہ بھی میسر ہو تو منزل کی طرف چلنا نہیں پڑتا، منزل خود طالب کا استقبال کرتی ہے۔

انسانیت صرف مسلمانوں ہی کے حرم تربیت سے میسر آسکتی ہے

حضورِ شوق کی اس جنت بستی میں بالکل پہاڑوں کے دامن میں ایک دوست کے گھر محفلِ ذکر منعقد ہوئی۔ نعتیہ زمزموں نے دل دھوئے، تصورِ مدینہ نے آنکھوں کو غسل دیا۔ شاہ جی نے دھیمے دھیمے لہجے میں مقامِ انسانیت پر گفتگو کی اور فرمایا:

''ایک انسان وہ ہے جو گناہ کی ظلمتوں میں بستا ہے اور ظالمانہ رویوں نے اُسے لوٹ رکھا ہوتا ہے، وہ ننگ آدمیت ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا سکندرِ اعظم کے اُستاد ارسطو نے انسان کو سیاسی حیوان قرار دیا۔ شاید اُس کے نزدیک انسانیت صرف وزیروں اور بادشاہوں کے وجود میں دکھائی دے سکتی ہے۔ مزدور، کسان، غلام، عورتیں اور محنت کش ارسطو کے نزدیک انسان نہیں تھے''۔

ایک مفکر نے کہا کہ انسان معاشرتی حیوان کا نام ہے اس لیے کہ یہ ایک دوسرے سے مل کر رہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ مل کر رہنا تو بعض حیوانات میں بھی قابلِ رشک ہوتا ہے۔ شہد کی مکھیاں، چیونٹیاں اور کیڑے جس طرح آپس میں مل کر رہتے ہیں دیدنی ہوتا ہے۔ بعض علمائے حکمت کہتے ہیں انسان حیوانِ ناطق ہے۔ بولنا اس کا تفرد ہے اور گفتگو کرنا اس کا امتیاز ہے۔ شاہ جی نے فرمایا چالیس لفظوں تک بولنا تو بندروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔ بعض الفاظ تو طوطے بھی ادا کر لیتے ہیں۔ کیا وہ انسانیت کی معراج کو چھو لیتے ہیں۔ بینجمن کہتے ہیں انسان صرف وہ ہوتے ہیں جو اسلحہ بناتے ہیں اور جمع کرتے ہیں اس اعتبار سے تو انسانیت صرف بڑی طاقتوں کے پاس ہوگی۔

یہ نبیوں کی گذرگاہ بھی ہے اور جلوہ گاہ بھی

خضرِ راہ میسر ہو تو منزلیں خود استقبال کرتی ہیں

شاہ جی سے جو لوگ قریب رہتے ہیں انہیں معلوم ہے وہ بعض اوقات آٹھ آٹھ دن تک بولتے نہیں۔ ایک ایسا جلال اُن کے تشخص کو لپیٹ لیتا ہے جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کیفیت عموماً حرمین شریفین میں آپ پر طاری ہوتی ہے ہاں جب سیّد ضیاء الحق شاہ صاحب گیلانی نے فقرا کی معیت میں قدم بڑھایا ہے شاہ جی اُن کی محبت اور احترام میں محافل میں گفتگو کر لیتے ہیں۔ آج کی محفل بھی انہی کے تصدق تھی۔ شاہ جی مقامِ انسانیت پر مغربی افکار کی دھجیاں بکھیر رہے تھے، محفل میں ایک لمحہ ایسا آیا جیسے شاہ جی نے بغداد کو اٹھا کر ''ام القریٰ'' میں رکھ دیا ہو۔ آپ نے انسانیت پر گفتگو کرتے ہوئے سیّدی و مولائی شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ مقالہ پیش فرمایا اور شاید فتوح الغیب کا حوالہ دیا تھا۔ فرمایا شیخ لکھتے ہیں:

پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو اپنی زبان اور دل سے کوئی کام نہیں لیتے اور نہ ہی اللہ کی معرفت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان کی زبان سے اللہ کا ذکر صادر ہوتا ہے ظاہری دنیا کی رونقوں کے سوا اُن کا دل علم و حکمت سے خالی ہوتا ہے ایسے لوگوں میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا اللہ کے نزدیک ایسے لوگ بے کار محض ہیں اُن کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہوتا ہے ہاں اللہ کی توفیق سے یہ لوگ اپنے آپ کو بدل ڈالیں تو اور بات ہے ایسے لوگوں سے راہ و رسم رکھنا کوئی روحانی منفعت نہیں رکھتا بلکہ یہ لوگ عذاب الٰہیہ کے مستحق ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو زبان سے تو اللہ کے وجود اور اُس کی قدرت کا اظہار و اقرار کرتے ہیں لیکن اُن کے دل ایمان سے خالی ہوتے ہیں وہ لوگوں کے سامنے اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں لیکن خود اُن کو عمل کی توفیق نہیں ہوتی، لوگوں کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں لیکن خود اُن کے قدم نیکی کی طرف نہیں اٹھتے، وہ دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں لیکن اپنی گناہ نہیں دیکھتے وہ دوسروں کے سامنے پارسا بننے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اپنی تنہائیوں میں کبائر کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں آتے گویا وہ درندہ صفت انسان ہوتے ہیں جو انسان کے بھیس میں دوسروں کو دھوکہ دیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے ہوشیار رہنے کی تاکید کی ہے اور آپ نے فرمایا! اپنی اُمت پر سب سے زیادہ خوف ”علمائے سوء“ کا ہے یعنی وہ بے عمل لوگ جو خیر کو شر اور شر کو خیر بنا کر ظاہر کرتے ہیں ایسے لوگوں سے بھی اللہ کی پناہ۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جو دل والے ہیں اُن کے قلوب اور ارواح اسرار و معرفت کے نور سے بھرے رہتے ہیں اُن کی زبانیں نہیں کھلتیں زیادہ خاموش رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہوتا ہے وہ اپنے عیبوں کو جانتے ہیں اس لیے انہیں ہمیشہ اصلاح کی فکر رہتی ہے۔ یہ عظیم لوگ گوشہ نشینی میں عافیت سمجھتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

”جس نے خاموشی برتی وہ نجات پا گیا نیز فرمایا اگر عبادت کے دس حصے کیے جائیں تو نو حصے خاموش رہنے میں ہیں یہ لوگ اللہ کے دوست ہوتے ہیں اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں اور وافر عقل رکھنے والے ہوتے ہیں اُن کے پاس بھلائی ہی بھلائی ہوتی ہے اس لیے چاہیے کہ اُن کی صحبت اختیار کی جائے“۔

سکندر اعظم کے استاد ارسطو انسان صرف سیاسی حیوانوں کو سمجھتے تھے

جس نے خاموشی برتی وہ نجات پا گیا

چوتھے وہ لوگ ہیں جن کی عظمت کے گواہ جن و انس اور شجر و کاہ ہوتے ہیں اور فرشتے اُن کے ہم رکاب رہتے ہیں ایسے لوگ ملائکہ میں عظیم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں اُن کے دل اسرار الٰہیہ کا خزانہ ہوتے ہیں۔ اُس نے انہیں اپنے لیے چن رکھا ہوتا ہے اُن کی ذہانت اور مطانت مکمل ہوتی ہے اگر وہ کسی کی سفارش کریں تو اُن کی سفارش سنی جاتی ہے وہ اصل میں انبیاء کے نائب اور جانشین ہوتے ہیں ایسے لوگوں کی عداوت سے پرہیز لازم ہے اور اُن کی طرف رجوع ہی میں برکت ہے۔

شاہ جی کے موثر اسلوب گفتگو سے لگ رہا تھا ہر شخص کو انسان کا متلاشی بنا دیا ہے۔ ایک ڈاکٹر صاحب بولے! انسان ہونا بھی بڑی چیز ہے۔ شاہ جی نے کہا انسان ہونا بھی بڑی چیز ہے لیکن مسلمان ہونا بہت ہی بڑی چیز ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ کردار اور اخلاق اپنائیں کہ دنیا بھر کے انسان محسوس کریں انسانیت صرف مسلمانوں ہی کے حرم تربیت سے میسر آ سکتی ہے۔

✿ ✿ ✿

اتنے نہ در بناؤ کہ دیوار گر پڑے

جواد بلوچ

جب کبھی بھی تقدیر اپنا زور دکھاتی ہے تو بہت کچھ اس طرح کا وقوع پذیر ہوتا ہے کہ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ پچھلے دنوں اسلام آباد میں سجائے گئے میدان کارزار میں ایک نوجوان ہوٹل کی چھت پر اور دوسرا ویگن کا انتظار کرتے ہوئے کسی اندھی گولی کا نشانہ بنے۔ لمحوں میں موت کی وادی میں جانے والے بے قصور ایک ہی سوال چھوڑ گئے "بایِّ ذنبٍ قتلت" یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ آنے والی گولیاں پیشہ ور ملاؤں نے چلائی یا پھر وطن عزیز کے جبری سپاہیوں نے کہ خود اپنے وطن کے چہرے پر لہو مل دیا۔

لال مسجد میں ہونے والی جنگ دراصل مفادات اور حصولِ اختیارات کی جنگ تھی۔ اندر اور باہر والے دونوں برابر کے شریک ہیں اگر اندر والے باہر آ جاتے تو باہر والوں کے بہت سے راز عیاں ہو جاتے، اسی لئے اندر مارے گئے اور باہر والوں کی بازی کے جب تمام مہرے پٹنے لگے تو انہوں نے خود ہی بازی الٹ دی اور سب کچھ تہہ و بالا کر دیا۔

لال مسجد کے باہر تو پاکستانی فوج کے جوان تھے اور اندر بھی انہی کی طرح تربیت یافتہ "مجاہد" تھے

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ ہے جو کچھ ہمارے حکمرانوں نے کیا۔ ۸۰ء کی دہائی میں ملک کے دارالخلافہ میں موجود پارلیمنٹ ہاؤس پر ایک گروہ قبضہ کر لیتا ہے اور حکومت بے بس۔ حکومتی تھنک ٹینک یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ گروہ کے مقابلہ میں گروپ لاؤ اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ جنرل ضیاء الحق کے عہد فرمانروائی میں ملک کے اندر کافر کافر کی صداؤں میں گولیوں کی گھن گرج میں پاکستان کے کئی ڈاکٹرز، انجینئرز اور سکالرز مارے گئے۔ سپاہِ صحابہ، سپاہِ محمد کے نام پر دہشت پھیلائی گئی۔ مرید یزدانی، ریاض بسرا، شاہد، اسی دور کی پیداوار ہیں۔ اسی دوران افغان جہاد بھی حکومتی ترجیحات میں شامل ہو گیا۔ حکومت نے اپنے پالتوؤں کی مدد سے "مجاہدین" کی بڑی تعداد کو درآمد کرنا شروع کر دیا اور حکومتی ادارے ان کو تربیت دینے لگے اور نوجوان حکومتی مقاصد میں استعمال ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ افغان جہاد اپنے اختتام پر پہنچا تو جہادِ کشمیر کا شوشہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ افراد جو کہ تربیت یافتہ تھے ان میں سے بیشتر تو جہادِ کشمیر میں الجھ گئے اور کچھ مذہبی جماعتوں کے غنڈے بن گئے اور باقی ۔ ۔ ۔ باقیوں کے ساتھ وہ ظلم ہوا کہ انسانیت کانپ اٹھے۔ جہاد کے نام نہاد کمانڈروں نے پیسہ اکٹھا کرنے کے لئے مجاہدین کو امریکی کتوں کو فروخت کرنا شروع کر دیا۔ جہادی نوجوانوں کو پاکستان سے افغانستان لے جا کر امریکیوں کے ہاتھوں بیچ دیا جاتا اور ذلیل امریکی فوجی ان نوجوانوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر عالمی میڈیا کے سامنے اپنی کارکردگی دکھاتے۔

لال مسجد میں ہونے والی جنگ دراصل مفادات اور حصولِ اختیارات کی جنگ تھی

فوج کے تربیت یافتہ مذہبی دہشت گرد اپنے بلوں سے باہر آ گئے

نواز شریف کے دورِ حکومت میں میاں شہباز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب بنے تو مذہبی دہشت گردی کے کئی مجرموں کو پولیس مقابلوں میں مروا دیا گیا۔ جتنے جعلی پولیس مقابلے اس دور میں ہوئے اتنے پاکستان کی تاریخ میں کبھی بھی نہیں ہوئے۔ اگرچہ جراحی کی کوشش کی گئی مگر ناسور رگِ جاں تک پہنچ چکا تھا۔ اسی اثنا میں جنرل پرویز مشرف آئین و قانون کی دیوار پھاند کر ایوانِ اقتدار میں آ بیٹھے۔

پھر سے فوج کے تربیت یافتہ مذہبی دہشت گرد اپنے بلوں سے باہر آ گئے۔ حتیٰ کہ حکومتی ایوانوں میں جا بیٹھے اور مجبوراً ایسے ایک کو

ایجنسیوں نے اسلام آباد میں ترنول ٹول پلازہ پر ''شہید'' کر کے جان چھڑالی جبکہ وہ MNA تھے۔

اسی طرح سے لال مسجد کے مجاہد بھی حکومتی پروردہ تھے اور حکومتی ایماء پر امریکہ بہادر کو یہ بات باور کروانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مولوی انتہا پسند ہیں۔ اسلام دہشت گرد اور انتہا پسند مذہب ہے۔ خودکش بمباروں اور مذہبی دہشت گردوں کا ملک ہے اور اگر ملک میں جمہوری حکومت آئی تو ہم سب کچھ تباہ و برباد کر دیں گے اور امریکی مفادات کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائیں گے۔ اسی لئے یہی فوجی حکومت ہی کامیاب حکومت ہے۔

لال مسجد کے باہر تو پاکستانی فوج کے جوان تھے اور اندر بھی انہی کی طرح تربیت یافتہ اور روس جیسی طاقت کے ساتھ ٹکرانے والے امریکی اور پاکستانی تربیت یافتہ ''مجاہد'' تھے۔ معاملہ انتہا کو پہنچا کوئی مارا گیا اور کوئی پکڑا گیا۔

بات یہاں تک ہی نہیں بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ اتنی بڑی کہانی کے پس پردہ مجبوریاں کیا تھیں اور حقائق کیا تھے؟ جتنے بھی طلباء طالبات ان مدارس میں تھے وہ سب غریب گھرانوں سے تھے۔ کچھ یتیم تھے اور کچھ لاوارث اور تو اور اگر مولانا عبدالعزیز اور عبدالرشید کا خاندانی پس منظر دیکھا جائے تو احساس ہو گا انتہائی غریب فیملی سے اور جنوبی پنجاب کے دور افتادہ اور پسماندہ علاقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دولت تو بڑے بڑوں کے ایمان متزلزل کر دیتی ہے اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سے بدلنے کی طاقت رکھتی ہے۔ Poverty Alleviation کے نام پر NGO's لاکھوں نہیں کروڑوں روپے خرچ کر کے لوگوں کے اذہان کو غلام بنا رہے ہیں اور اپنے مقاصد کے لئے استعمال بھی کر رہے ہیں۔

دوسری جانب پاکستانی میڈیا مغربی تہذیب کے فروغ میں کوشاں ہے کیونکہ ان کے وجود کا دارو مدار ملٹی نیشنل کمپنیوں کی طرف سے ملنے والی کمرشلز پر ہے۔ اگر آپ دیکھیں تو احساس ہو گا کہ ٹی وی چینلز اور FM Radio کی بھرمار ہے اور بچوں کے اذہان مسموم کئے جا رہے ہیں۔ چند ایک چینلز اس طرح سامنے آئے کہ کہا جا سکتا تھا کہ اسلامی چینلز ہیں مگر وقت نے ثابت کیا کہ وہ اسلامی نہیں بلکہ مسلکی چینلز ہیں۔ کہیں تو غامدی جیسے کج فہم اور اسلام دشمن عناصر نے اسلامی اقدار کو نقصان پہنچایا اور کہیں نام نہاد علماء نے، یعنی کہ ہر شعبہ نے اسلام کی اصلی روح اور اسلام ناب محمدی ﷺ کو مجروح کیا۔

اسی طرح سے نام نہاد مدارس کے فارغ التحصیل کم علم ملاؤں نے، وہ دارالعلوم کہ جو علم و بصیرت کے مخزن تھے، آج ذاتی جاگیر بن گئے۔ ایسے میں لال مسجد جیسے سانحات سامنے کیوں نہیں آئیں گے۔ گویا غربت، اسلامی تعلیمات کی کمی، نام نہاد ملا ہی میرے معاشرے کی تباہی کی وجہ ہیں۔

اسی طرح سے وہ طلباء جو کہ لال مسجد سے باہر آئے ان کی سرشت اور ان کے اذہان میں جو باتیں بٹھائی گئی ہیں کیا وہ نکالی جا سکیں گی؟

کیا وہ خالی وردی کو اپنا مسیحا سمجھیں گے؟

کیا ان کو دہشت گردی سے روکا جا سکے گا؟

کیا ان کی مناسب تربیت اور دیکھ بھال کی جا سکے گی؟

کیا طالبات کو صحیح اور مناسب محفوظ پناہ گاہیں میسر آئیں گی؟

یقیناً یہ لمحہ فکریہ ہے۔ غیر مسلموں نے دیکھا بلکہ پوری دنیا نے دیکھا کہ ایک شخص چہرے پر داڑھی سجائے، سر پر عمامہ رکھے، کاندھے پر کلاشنکوف لٹکائے پورے ملک کو چیلنج کرتا ہے اور بزور طاقت نفاذ اسلام کی بات کرتا ہے۔ خودکش حملوں کی بات کرتا ہے۔ گویا پوری دنیا میں علماء کے کردار کو مسخ کرتا ہے۔ 'اسلام امن و سلامتی کا دین ہے' کی سر عام نفی کرتا ہے اور حکومت کو جواز فراہم کرتا ہے کہ علماء اور دارالعلوم کے خلاف آپریشن کئے جائیں۔ یہ مہرہ پٹ کر بھی کامیاب رہا۔

تازہ ہوا کے شوق میں اے ساکنان شہر
اتنے نہ در بناؤ کہ دیوار گر پڑے

✿ ✿ ✿

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے

ڈاکٹر رضا فاروقی

اسلام جب اپنی سریع التاثیر تعلیمات کی وجہ سے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی سے سرفراز ہوا تو کوئی بھی باطل قوت اس کے مقابل نہ ٹھہر سکی اور یہ رومیوں اور عیسائیوں کی شکست بھی تھی لہٰذا انہوں نے انتقام لینے کے لیے مسلمانوں سے معرکتہ الارا جنگیں کیں۔ جن کو صلیبی جنگوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تیسری اور آخری صلیبی جنگ کے لیے مسلمانوں کے خلاف تین سربراہان کا اتحاد ہوا۔ انگلستان کے شاہ رچرڈ، فرانس کے فلپ آگسٹس اور جرمنی کے شہنشاہ فریڈ تک بار بروسا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی سے شکست کھانے کے بعد اتحادیوں نے صلح کی اپیل کی چنانچہ جانبین سے یہ اعلان ہوا کہ:

''مسلمانوں اور عیسائیوں میں صلح ہو چکی ہے۔ دونوں قوموں کے مقبوضہ ملکوں میں شہری آزادی ہوگی اور دونوں ممالک کے لوگ ایک دوسرے ملک میں آزادی سے آجا سکیں گے''۔

مسلمانوں سے شکست کا بدلہ لینے اور اُمتِ مسلمہ کو تباہ و برباد کرنے کی ذمہ داری امریکہ نے قبول کر رکھی ہے

اس شکست نے عیسائیوں کو کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ دورِ جدید میں مسلمانوں سے شکست کا بدلہ لینے اور امتِ مسلمہ کو تباہ و برباد کرنے کی ذمہ داری امریکہ نے قبول کر رکھی ہے۔ خصوصاً صدر بش کے برسرِاقتدار آنے کے بعد سے دہشت گردوں کے خلاف پیشگی حملہ کی تھیوری پر عمل کر کے امریکہ نے باقاعدہ مسلمانوں کو نشانہ بنایا ہے۔ ان کی اس تھیوری سے پوری دنیا کا امن غارت ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں اور مسلم ممالک پر حملے کر کے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کی جا رہی ہے۔

افغانستان پر حملہ، عراق پر الزام اور پھر حملہ...... امریکہ آج تک کوئی ٹھوس ثبوت فراہم نہیں کر سکا لیکن اُس نے حکمت عملی یہ اپنائی ہے کہ پہلے ان ممالک کو میڈیا کے ذریعہ خوب بدنام کرو اور دنیا کو باور کرا دو کہ اس مملکت کا وجود پوری دنیا اور انسانیت کے لیے بہت خطرناک ہے۔

- اب اس تناظر میں ان امریکی بیانات اور اقدام کا جائزہ لیں جن سے پاکستان اور عالمِ اسلام کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ ان کو آپ دھمکیاں کہہ لیں، ہرزہ سرائی کہہ لیں کچھ بھی کہہ لیں یہ ہر پاکستانی اور ہر مسلمان کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے:
- ڈیموکریٹ صدارتی اُمیدوار بارک اوباما کا بیان: ''ہم پاکستان پر حملہ کر دیں گے کیونکہ پاکستان اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے دیگر قائدین کی گرفتاری میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہا''۔
- ریپبلکن پارٹی کے اُمیدوار ٹام ٹنکر کا بیان ''امریکہ کے اندر اگر دہشت گردی ہوئی تو ہم مسلمانوں کے مقدس مقامات مکہ اور مدینہ کو بمباری کر کے تباہ کر دیں گے''۔
- امریکی سینٹ کی دہشت گردی سے متعلقہ قانون میں ترمیم۔ جس کے تحت امریکہ کے انٹیلی جنس ادارے عارضی طور پر غیر ملکی مشتبہ کی عدالتی وارنٹ کے بغیر بھی تلاشی لے سکیں گے۔
- امریکی سینٹ کا بل...... جس میں امریکی صدر کو پابند کیا گیا ہے کہ پاکستان کے لئے امریکی امداد جاری کرنے سے قبل اس بات کا سرٹیفکیٹ جاری کرے کہ پاکستان اپنی حدود میں القاعدہ اور طالبان کے خلاف پیش رفت کر رہا ہے۔

صدارتی اُمیدواران کے بیان پر حکومت امریکہ کے ترجمان نے یہ کہہ کر پاکستان کو طفل تسلی دی ہے کہ یہ صرف انتخابات کی وجہ سے اس قسم کے بیانات دیے جا رہے ہیں جن کو سنجیدگی سے نہیں لینا چاہیے حالانکہ یہ امریکی طریقہ واردات ہے کہ ان کی مشینری کے

مسلم ممالک پر حملے کر کے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کی جا رہی ہے

یہود کے زیر اثر امریکہ کسی مسلمان ملک کی ایٹمی طاقت کو برداشت نہیں کر سکتا

کار پرداز کسی بھی ملک کے خلاف پہلے بیان بازی کا سلسلہ شروع کرتے ہیں پھر اپنے موقف کی حمایت کے لئے میڈیا کو استعمال کرتے ہیں اور ان کی بنیاد پر امریکی حکومت دوسرے ممالک کو بلیک میل کرتے ہوئے ان کے خلاف کاروائی کا شوشہ چھوڑتی ہے اور آخر کاروائی کر گذرتی ہے اور اس میں وہ بین الاقوامی ضابطہ کا خیال نہیں کرتی اور نہ ہی شرم وحیا اس کے مذموم مقاصد اور منصوبوں کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ پاکستان میں فوجی کاروائی کا کھلم کھلا بیان جس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ پاکستان کی حکومت کو مطلع کرنا بھی ضروری نہیں اور مسلمانوں کے قلب وجگر مکہ اور مدینہ پر حملے کی شرمناک دھمکی ...... کیا یہ صرف اتفاق ہے یا اس کے پیچھے کوئی گہری سازش۔ ان ہرزہ سرائیوں اور دھمکیوں پر حکومت پاکستان کا ردعمل بڑا واجبی سا ہے جبکہ عوامی ردعمل شدید ہے جو ہونا بھی چاہیے۔ بعض نے کہا کہ یہ معاملہ او آئی سی میں اٹھانا چاہیے۔

سوچنے کی بات ہے کہ ہم کیا اور ہماری او آئی سی کیا۔ اگر اُمت مسلمہ میں زندگی کی حرارت ہوتی تو کیا اس طرح کی دھمکیاں دی جاتیں؟ کیا ہمارے مقدس مقامات پر حملے کی بات کی جاتی؟ کیا افغانستان اور عراق پر بمباری کر کے لاکھوں مسلمانوں کو ہلاک کیا جاتا یقیناً ایسا نہیں ہے۔ مسلمان تو ہمہ وقت پارہ صفت ہوتا ہے اور اُس میں دینی غیرت اور حمیت ہوتی ہے مگر افسوس ایک ارب سے زائد افراد اور 57 مسلم ریاستوں کے باوجود اس قدر مجبور اور بے بس ہیں کہ امریکی ہمارے ایمانوں کا یوں سرعام مذاق اڑاتے اور حرمین شریفین پر حملوں کی دھمکیاں دے رہے ہیں...... حرم کے پاسبانوں کا کوئی کردار ہوتا تو کیا مسلمانوں کو اتنی بڑی گالی دینا ممکن ہوتا؟

کہتے ہیں کہ مسلمان ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسا جاتا لیکن میرے پیارے وطن کے حکمران ہمیشہ اسی سوراخ سے بار بار ڈسے جا رہے ہیں۔ جنرل ایوب خان کو جب ہوش آئی تو اُس نے امریکہ کے بارے میں لکھا کہ "Friends not Masters" یعنی دوست آقا نہیں ہوتے مگر اُس وقت پانی سر سے گذر چکا تھا۔

جنرل یحیٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو، جنرل ضیاء الحق، نواز شریف اور بے نظیر سب کے سب امریکہ کے حضور سر نیاز خم کرتے رہے اور پھر اُسی امریکہ نے ہی اپنے مقاصد پورے ہونے کے بعد انہیں تاراج کر دیا۔ جنرل پرویز مشرف بھی اُسی کشتی پر سوار ہیں۔ دیکھیں یہ کشتی کب تک پانی کے اُوپر رہتی ہے ....؟

پاکستان کے ساتھ دوستی کا جس طرح امریکہ نے بھرم رکھا ہے وہ بھی قابل ستائش ہے:

- ہماری مدد کے لیے امریکہ کا بحری بیڑا چلتے چلتے چل گیا اور ہم اُس کے سہارے اپنا ایک بازو کھو بیٹھے۔
- امریکہ ہماری دوستی کا دم بھرتا ہے مگر ہندوستان کو خطے کی سپر پاور بنانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ ہندوستان کے ساتھ حالیہ معاہدے اور دوسری طرف پاکستان کو کمزور کرنے کی ہر کوشش۔
- پاکستان نے ایٹمی دھماکے کی منصوبہ بندی کی تو پاکستان کو ہر طرح سے روکنے کی کوشش کی گئی، سنگین نتائج کی دھمکیاں دی گئیں۔
- محسن پاکستان عبدالقدیر کو مجرم بنوایا گیا اور ایسی فائلیں تیار کی گئیں جن پر پاکستان کے خلاف ایک دہشت گرد ملک ہونے کی بناء پر کاروائی کی جاسکے۔

پاکستان کے ساتھ امریکہ کی دشمنی کا کیا سبب ہے جبکہ پاکستان دہشت گردی کے خلاف اس خطے میں اُس کا سب سے بڑا اتحادی ہے ...... سب سے بڑی وجہ ایٹم بم ہے یہود کے زیر اثر امریکہ کسی مسلمان ملک کی ایٹمی طاقت کو برداشت نہیں کر سکتا اور یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ پاکستان دراصل اسلام کی آماجگاہ ہے اور یہی وہ ملک ہے جہاں سے بجھی ہوئی راکھ سے چنگاری نمودار ہو سکتی ہے لیکن اندرون خانہ ہماری حالت بہت پتلی ہے۔ اندرونی انتشار کا یہ عالم ہے کہ اپنوں کے ہاتھوں اپنے ہی شہید ہو رہے ہیں، خودکش حملوں سے نہ صرف انسانیت کا قتل ہو رہا ہے بلکہ پوری دنیا میں مسلمان اور پاکستانی بدنام ہو رہے ہیں، باطل قوتیں یہی تو چاہتی ہیں۔

پس چہ باید کرد۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دفاع وطن اس کی سالمیت، یکجہتی اور عزت ووقار کے تحفظ کے لئے پوری قوم ایک جسد واحد کی طرح متحد ہو جائے اور اُمت مسلمہ کو بھی متحد کرنے اور نازک صورتحال کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

✿ ✿ ✿

سنابلِ نور

سید ریاض حسین شاہ

عجب اعجاز ہے تیری نظر کا
کہ ہم بھولے ہیں رستہ اپنے گھر کا
سحر آئی تو یاد آئے وہ تارے
پتہ جن سے ملا ہم کو سحر کا
بہاریں آگئیں جب آپ آئے
دعاؤں نے بھی منہ دیکھا اثر کا
میری آنکھیں ہوئیں نمناک واصفؔ
خیال آیا کسی کی چشمِ تر کا

یہ ایک سادہ سے دیہات کی بات ہے جسے قدرتی حسن کی آغوش میں پلنے کی سعادت میسر رہی تاروں کی موسلا دھار برستی کرنوں نے اسے نہلایا۔ گرتی آبشاروں کی رس انگیز سروں نے اس کے رہنے والوں کی روحوں میں تلاطم پیدا کیا۔ پہاڑوں کی اوٹ سے طلوع ہونے والے سورج نے اس کی پتھریلی سلوں پر محبت کی کہانیاں رقم کیں۔ چٹانوں سے بلائیں لیتا یہ خوبصورت گاؤں کوشالی، ہزارہ ڈویژن کی چھاتی پر آباد ہے۔ قدرتی مناظر اس کی پہچان ہیں۔ سرسبز درخت اس کا حسن ہیں۔ پھوٹتے چشمے، لہراتی ہوائیں، مسکراتی صبحیں اور گنگناتی شامیں اس ورثہ کی امین ہیں۔ جو محمد ﷺ نے اپنی آل کے سپرد کیا تھا۔ یہاں کا رہنے والا سادات خاندان عرصہ دراز سے رسول اکرم ﷺ کے دین کی خدمت پر کمربستہ تھا۔ لیکن چودھویں صدی کا آخیر قریب تھا کہ اس خانوادہ کی بساط پلٹ دیتا اور فیضان دین کے امڈتے سوتے خشک ہو جاتے، مادیت کے بے مہر حملوں نے اس خاندان کو لرزا کر رکھ دیا۔ ضرورت تھی کہ کوئی دست غیب بڑھتا اور وادی تناؤل کی اس دینی تحریک کو پھر سے سرگرم کر دیتا جو نبیرہ مصطفیٰ ﷺ نے بڑی محنت سے ایک دور افتادہ علاقہ میں اٹھائی تھی۔ ایک شخص اٹھا اور اس نے دلوں کی بنجر زمینوں میں حب الٰہی کے تخم اس رنگ میں بوئے کہ چار سو دین مصطفیٰ ﷺ کی فصلیں لہلہاتی نظر آنے لگ گئیں۔ اس بندہ خدا نے سب سے پہلے جس دل کو اپنا مرکب تحریک بنایا وہ سید عبدالمنان شاہ صاحب کا تھا۔ سید صاحب نے وادی تناؤل میں بدعات وخرافات اور رسوم ورواج کے خلاف خوب کام کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سینکڑوں لوگ اپنی سانسوں کی آمد و رفت میں ذکر الٰہی کی خوشبو محسوس کرنے لگ گئے۔

وہ رات کسے بھولے گی جب تاریکیوں نے ہر سو اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے۔ گہرے بادلوں نے رومان پرور وادیوں کو خوفناک اندھیروں میں لپیٹ رکھا تھا، ہوائیں جیسے رو رہی ہوں۔ بجلیاں لرز لرز کر جیسے کاشانہ ہائے دل میں نور ریزی کر رہی ہوں۔ دور دور تک زندگی جیسے پہاڑوں کی اوٹ میں دبک کر بیٹھ گئی ہو۔ کسی نے آواز دی "پیر صاحب! تشریف لائے ہیں" پیر صاحب کی کوشالی گاؤں میں یہ پہلی آمد تھی۔ حضرت کا تعارف سید عبدالمنان شاہ صاحب پہلے ہی کروا چکے تھے۔ وادی میں صدائے آمد کیا گونجی کہ لالٹینوں کی پیلی لوئیں قطار اندر

قطار استقبال کے لیے لہرانے لگ گئیں۔ گاؤں کے چھوٹے بڑے لوگ مسجد کی طرف بڑھے۔ حضرت صاحب نماز ادا کر چکے تھے۔ موضع کوشالی کے سادات بڑی بے تابی اور اشتیاق سے حضرت سے بغلگیر ہو رہے تھے۔ دبلا پتلا وجود، گندمی رنگ، چمکتی نگاہیں، مقناطیسی نظریں۔ معتدل سر، اونچی بینی، عریض پیشانی، باریک ابرو، ہموار رخسار، شاداب دہن، داڑھی سفید زیادہ سیاہ کم، میانہ قد، خوبصورت اندام، کشادہ سینہ، پٹھانی عمامہ، سرحدی جامہ، کملی اوڑھے حضرت روحوں میں کھب رہے تھے۔ مسجد سے نکلے اور گاؤں کی گلیوں میں دینی محبتوں کی خوشبوئیں بکھیرتے سید سلیمان شاہ صاحب کے گھر تشریف فرما ہوئے۔ اب پیر وکلاں اور خورد و جواں ان کے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے زیبا لبوں سے حسین افکار کے خوبصورت کلماتی پیکر ڈھلنے لگے۔ اور ساعتوں میں توحید کا ارتعاش گونجا۔ دنیا کی برف پگھلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ آپ کبھی پشتو میں اور کبھی ہندکو میں حسن اعتقاد کے ستارے روشن کرتے۔ ہر پانچ سات جملے ادا کرنے کے بعد بلا ساختہ زبان سے نکلتا۔

اللہ اکبر کبیرا....!

اللہ اکبر کبیرا....!

دفعتۃً آپ نے گھڑی کی طرف دیکھا اور فرمایا آیئے ذکر و فکر کرتے ہیں، کواڑ بند ہوئے، شمعیں بجھ گئیں۔ باتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا پست سانسوں کی آمد و رفت میں جیسے کوئی کسی کو تلاش کر رہا ہے۔ پندرہ بیس منٹ بعد دعا فرمائی اور پھر گویا ہوئے۔ توحید نور ہے، توحید ایمان کی اساس ہے۔ عقیدہ توحید ٹھیک نہ ہو تو عبادتیں عبث ہیں، ریاضتیں فضول ہیں۔ عقیدہ توحید پر یقین مضبوط کرنا زندگی کا اصل مجاہدہ ہے اور پھر "توحید" پر ایسا درس دیا کہ محفل کا ہر شریک محسوس کرنے لگا کہ وہ نور و رحمت کی دہلیز پر بیٹھا ہوا ہے اور کوئی نوازشوں کے پھول اس کے سر پر نچھاور کر رہا ہے۔ محفل میں بیٹھے ایک شخص نے جھٹ سے شمع روشن کر دی۔ حضرت دوزانو بیٹھے تھے۔ ہاتھوں کی مٹھیاں بند تھیں اور اور آنکھوں کی پتلیاں مسلسل آسمان کی طرف اٹھ اٹھ کر توحید کی گواہی دے رہی تھیں جیسے آپ ہاتھوں کے پنجرے میں گناہگار انسانوں کی روحیں پکڑ پکڑ کر دھو رہے ہوں۔

اللہ اکبر کبیرا....! فرمایا

اور سر ہر قبلہ رو پر تشریف فرما ہوئے اور سید عبدالمنان شاہ صاحب سے فرمایا لیٹ جاؤ اور لوح دل پر اسم ذات کا تصور کرو اس کے ساتھ آج کی محفل برخاست ہو گئی۔

قائم تھی یوں تو درد کی محفل جگہ جگہ
ہم ہی سنا سکے نہ غم دل جگہ جگہ
دل ہر مقام شوق سے آگے نکل گیا
دامن کو کھینچتی رہی منزل جگہ جگہ

✿ ✿ ✿

ایک روحانی محفل میں

شاہ جی کا درسِ حکمت

منظور حسین اختر

جس دور میں اندھا دھند مغرب کی تقلید کی جا رہی ہو اسلامی تعلیمات وروایات کو دقیانوسی قرار دیا جا رہا ہو۔ اہلیان حکومت کتوں کو گود میں اٹھائے پھرنا باعث فخر سمجھتے ہوں اور "لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنه " کے قرآنی اور آفاقی سبق کو بھول کر" کمال اتاترک" جیسے لوگوں کو نمونہ زیست بنا رہے ہوں۔ اپنی ماؤں بہنوں کو نیکریں اور تنگ ٹراؤزر پہنا کر سڑکوں پر دوڑتے دیکھنا باعث خوشی محسوس ہوتا ہو اور اسے "ترقی" قرار دیا جا رہا ہو، لباس مغربی، انداز مغربی، اطوار مغربی، افکار مغربی، غرض جہاں سب کچھ غیروں کے انداز میں ہو رہا ہو اور اسلام کو عملی طور پر بھولنے کی کوششیں ہو رہی ہوں ان حالات میں اور اس پس منظر میں قرآن وحدیث کی تعلیمات عام کرنے کے لئے کوشاں ہونا نہ صرف جان جوکھوں کا کام ہے بلکہ قدم قدم پر مایوسیاں بھی ڈیرے ڈالے نظر آتی ہیں لیکن ان حالات میں مصطفوی تعلیمات کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے اور مصطفوی افکار کے حامل افراد کی ذمہ داریاں بھی زیادہ ہو جاتی ہیں۔

عقل والا تا کام ہو سکتا ہے لیکن محبت والا تا کام نہیں ہو سکتا

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب بھی دین نبی ﷺ پر کڑا وقت آیا تو اولادِ نبی نے ساری ساری زندگی اس دین کی خدمت میں صرف کر دی۔ جہاں ابوجہل اور اس کی ذریت معنوی شیطان کے ہاتھوں کھلونا بن کر شیطانی کاموں میں مصروف نظر آتی ہے وہاں آج بھی امام الانبیاء کی آل اس دین کی سربلندی کے لئے برسرِ پیکار نظر آتی ہے۔ یزیدی کردار جب بھی سر اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اسی وقت ہمیں حسینی کردار کے حامل سیدزادے میدان عمل میں اترتے نظر آجاتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں حسینی کردار وافکار کے سلسلے کی ایک کڑی پیر سید ریاض حسین شاہ کی مبارک صورت میں ہمیں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

جہاں میں اہل ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ، اُدھر نکلے ، اُدھر ڈوبے ، ادھر نکلے

سید ریاض حسین شاہ صاحب کو دیکھ لیں۔ سنگلاخ پہاڑ ہوں یا ریگستانی علاقے کی تپتی ریت، زرخیز زمین ہو یا بنجر و بے آب وگیاہ وادیاں، پاکستان کی سوہنی دھرتی ہو یا یورپ کی اخلاق باختہ فضائیں، امریکہ، کینیڈا، انگلینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ جیسے ممالک ہوں یا پیارے نبی ﷺ کے پیارے مکہ اور مدینہ شریف جیسے شہر ہوں، سب جگہ ایک ہی فکر ہے، ایک ہی صدا ہے، ایک ہی ارمان ہے اور ایک ہی کوشش ہے کہ مصطفوی تعلیمات عام ہو جائیں ہمارے نبی ﷺ کا جھنڈا بلند ہو جائے اور ہر انسان "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین" کی تصویر بن جائے۔

طریقت گدڑی پہننے اور تسبیح ومصلے کا نام نہیں بلکہ مخلوق کی خدمت کا نام ہے

اسی مقصد کے پیش نظر 9 اگست کو اتفاق مسجد ماڈل ٹاؤن لاہور میں درس حدیث کا اہتمام کیا گیا اگرچہ اس تقریب کی بوجوہ خاطر خواہ تشہیر نہ کی جا سکی لیکن پھر بھی لوگ دیوانہ وار سیدزادے کی زیارت اور آلِ نبی کی زبان سے نبی ﷺ کے اقوال سننے جمع تھے۔ مسجد کے ہال کے علاوہ برآمدہ اور گراؤنڈ میں بھی لوگ موجود تھے۔ قبلہ شاہ صاحب کی درس گاہ میں تشریف آوری سے قبل تلاوت قرآن حکیم اور زمزمہ نعت سے حاضرین اپنے قلوب کو سرشار کر چکے تھے۔ مسجد کے ہال کی شمالی دیوار کے ساتھ شاہ جی قبلہ کے لئے مسند سجائی گئی تھی (جیسا کہ ہر جمعہ آپ بعد

از نماز جمعہ درس دیتے ہیں) اس تقریب کی خاص بات یہ تھی کہ یہ تقریب رسمی طور طریقوں سے پاک تھی۔ کوئی شور شرابا نہ تھا۔ وہ آیا وہ گیا کی صدائیں نہ تھیں، کوئی مہمان خصوصی یا صدر محفل نہ تھا حتیٰ کہ کوئی نقیب محفل بھی نہ تھا۔ اتنی سادگی دیکھ کر راقم الحروف کے ساتھ آنے والے علماء میں متاثر کن حیرانگی دیکھی گئی۔ اور شاید اسی سادگی اور بے تکلفی کی وجہ تھی کہ علماء نے بھی اس انداز کو روحانی انداز قرار دیا۔ ٹھیک 9:45 پر شاہ صاحب اپنے مبارک کمرہ سے نکل کر نہایت سادگی اور متانت کے ساتھ مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوگئے۔ مسند حدیث پر تشریف فرما ہونے کے بعد قصیدہ بردہ شریف کے چند اشعار سنے گئے اور پھر حدیث پاک کا نور لوگوں تک پہنچانے کے لئے قبلہ شاہ صاحب نے اپنا خطاب شروع فرمادیا۔

پہلی حدیث مبارکہ جو آپ نے بیان فرمائی وہ محبت رسول کا سبق دیتی ہے کیونکہ محبت رسول ﷺ ہی اصل ایمان اور بنیاد اسلام ہے اس لئے آپ نے محبت رسول کے موضوع سے اپنے خطاب کا آغاز فرمایا۔ فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے وضو فرمایا۔ تو آپ ﷺ کے صحابہ نے آپ کے وضو کے مستعمل پانی کو اپنے چہروں پر ملنا شروع کر دیا اور پینا شروع کر دیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنے پر تمہیں کس چیز نے ابھارا ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں ہم نے یہ کام کیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بعض اوقات کسی کو علم نہیں ہوتا اور وہ کام کر بیٹھتا ہے بعد میں ندامت محسوس کرتا ہے تو صحابہ کا کہنا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی محبت میں یہ کام کیا ہے، ہمیں بتاتا ہے کہ صحابہ کو علم تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس وجہ سے کر رہے ہیں اور وہ جانتے تھے کہ حضور کی محبت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے مستعمل پانی کو چہروں پر ملا جائے۔ جواب سننے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو یہ پسند ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے اور اللہ و رسول بھی اس سے محبت کریں تو وہ تین کام کرے۔

۱۔ جب بات کرے تو سچی بات کرے۔

۲۔ کوئی امانت رکھے تو دیانتداری کے ساتھ واپس پہنچائے۔

۳۔ پڑوسی جو بھی کرے آپ اس سے اچھا ہی سلوک کریں۔

اس حدیث پر آپ نے تفصیلی گفتگو فرمائی شاہ صاحب نے سوال اٹھایا کہ اعلانِ نبوت سے پہلے حضور کی ذات میں ساری صفات موجود تھیں۔ حضور سراج منیر بھی تھے، برہان بھی تھے، رسول، نبی، حلیم، کریم، رؤف، رحیم سبھی کچھ تھے لیکن اس مشرکانہ معاشرے اور کی سوسائٹی میں اعلان آپ کی دو صفات کا ہی کیوں ہوا؟ کہ آپ صادق اور امین ہیں۔ اس سوال کا جواب شاہ صاحب نے علامہ ابن حجر عسقلانی کی زبانی دیا کہ دراصل باقی ساری صفات انسان کو انسان عظیم بناتی ہیں لیکن صدق اور امانت انسان کے اندر قیادت کا جوہر پیدا کرتی ہیں۔ وہ شخص کبھی دوسروں کو منزل تک نہیں پہنچا سکتا جس کے اندر صدق اور سچائی کا نور نہ ہو۔

شاہ جی نے اپنے استاد شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محب النبی کی نصیحت سنائی جب آپ سے پوچھا گیا کہ ایک عالم دین اور قائد کو کن باتوں کی پابندی کرنی چاہئے تاکہ وہ زندگی میں ناکام نہ ہو تو فرمایا قائد تین کام نہ کرے تو وہ ناکام نہ ہوگا:

(۱) جھوٹ نہ بولے

(۲) بدکاری سے بچے

(۳) پیسے کے معاملے میں صاف وشفاف ہو یعنی لوگوں سے معاملات خراب نہ ہوں۔

شاہ جی قبلہ نے خواجہ غریب نواز کی بات ارشاد فرمائی کہ "دین سارا تین چیزوں میں ہے:

(۱) محبت (۲) مکارمِ اخلاق اور (۳) خدمتِ خلق۔

شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں کہ طریقت گدڑی پہننے اور تسبیح ومصلے کا نام نہیں بلکہ مخلوق کی خدمت کا نام ہے۔ اسی طرح داتا صاحبؒ کا تاریخی جملہ کہ تصوف کچھ رسمیں ادا کرنے کا نام نہیں بلکہ اخلاق ہی اخلاق ہے۔

مفکر اسلام نے مسلمانوں کی فکر کو صحیح رخ کی جانب موڑتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بم باندھ کر خودکش حملوں سے دین کی خدمت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ دین کی خدمت صرف اور صرف حضور ﷺ کے راستے پر چلنے میں مضمر ہے۔ اگر حضور ﷺ کی سنت کو اپنایا جائے تو دنیا اسلام کے نور سے جگمگا سکتی ہے۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ اگر کسی موڑ پر بادشاہ بھی ناکام ہوگئے ہوں تو اولیاء کا کارواں ناکام نہیں ہوا، ہمیں کہیں غوث اعظم عبدالقادر جیلانی نظر آتے ہیں، کہیں خواجہ غریب نواز، کہیں بابا فرید، مجدد الف ثانی، خواجہ بہاؤالدین نقشبند،

بہاؤالحق ذکریا ملتانی نظر آتے ہیں۔ یہ سب اولیاء کہیں ناکام نہ ہوئے کیونکہ یہ اخلاق رسول ﷺ لے کر نکلے اور معاشرے پر چھا گئے۔ جدہ کے ایک بڑے ہسپتال میں ڈاکٹروں کے ایک اجتماع سے اپنے خطاب کا حوالہ دیتے ہوئے شاہ صاحب قبلہ نے فرمایا کہ میں نے ڈاکٹروں سے پوچھا کہ بتائیں سب سے زیادہ کن لوگوں کے ہاتھوں پر لوگ مسلمان ہوئے؟ تو ایک ڈاکٹر اٹھا اور کہنے لگا کہ نوے لاکھ تو صرف ایک خواجہ غریب نواز کے ہاتھ پر ہی مسلمان ہو گئے۔ گویا اسلام کی صحیح خدمت ان صوفیاء ہی نے کی۔ یہ وہ بزرگ تھے جو جیسے اندا زمیں شہروں میں داخل ہوئے۔ یہ فوج لے کر داخل نہ ہوئے، اسلحہ و بارود لے کر داخل نہ ہوئے، سید داتا علی ہجویریؒ تن تنہا لاہور میں آئے۔ تو آخر وہ کون سی دولت تھی، وہ کون سا اسلحہ تھا جس نے سارے معاشرے کو دیوانہ بنا دیا، سارے دلوں کی کایا پلٹ دی۔ چونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میں مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔ لہٰذا ان اولیاء کرام کے اندر محمدی مکارم اخلاق کا ایسا نور چمکتا تھا کہ انسانیت سمجھ گئی کہ سارے زمانے کا سکون و راحت انہی درویشوں کے قدموں میں ہے۔

حضور کی سنت کو اپنا یا جائے تو دنیا اسلام کے نور سے جگمگا سکتی ھے

سید ریاض حسین شاہ صاحب نے سبق دیا کہ لوگو! ''میں'' کے خول سے نکل کر حضور ﷺ کے ''آپ'' کے دائرہ رحمت میں داخل ہو جاؤ اور وارفتگی و دیوانہ وار اللہ و رسول ﷺ سے محبت کریں کہ عقل والا نا کام ہو سکتا ہے لیکن محبت والا ناکام نہیں ہو سکتا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے پیر حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ بابا صاحب گھر کے صحن میں بے چینی کے ساتھ کبھی کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کبھی اپنی پیٹھ پر، اور زار و قطار رو رہے ہیں اور ایک رباعی ان کی زبان سے بار بار نکل رہی ہے۔

''میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیری محبت اور تیری خواہش میں دنیا سے اٹھ جاؤں، میں خاک ہو جاؤں، تیرے حبیب کے پاؤں کی خاک بن جاؤں، میرا مقصود کچھ نہیں سوائے یہ کہ میری موت آئے تو تیرے لئے اور میں زندہ رہوں تو تیرے لئے۔۔۔''

اسی طرح خواجہ نصیر الدین چراغؒ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپؒ کی زبان پر یہ اشعار تھے (مفہوم) ''اے اللہ! دنیا بادشاہوں کو دے دے، خاقانوں کو دیدے، قیصر کو دیدے، دوزخ بدوں کو دیدے، جنت نیکوں کو دیدے، تسبیح فرشتوں کو دیدے، اور مولا! مجھے اپنا آپ دے دے اور میری چھوٹی سے جان تو لے لے۔''

محبت رسول ﷺ، سچ، امانت، حسن سلوک، للہیت کے درس کے بعد آپ نے خدمت خلق پر زور دیتے ہوئے ایک حدیث سنائی کہ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرا دل سخت ہو گیا ہے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی مسکین کو کھانا کھلا دے اور کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھ دے اللہ تیرے دل کو نرم فرما دے گا۔''

گویا لوگوں کے کام آنا، یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا، مسکینوں کو کھانا کھلانا، اپنے آپ کو دوسروں کے لئے نافع بنانا، نرم دلی کے ذرائع ہیں اور نرم دل انسان اللہ کا محبوب ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو قیامت والے دن انعام یافتہ لوگوں یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اٹھایا جائے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا ہاں ایسا بندہ ہے کہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین بھی اس کا مرتبہ دیکھ کر رشک کریں گے اور وہ شخص ایسا تاجر ہے جو گاہک کے ساتھ جھوٹ نہ بولے اور خیانت نہ کرے۔

میں نے انسانوں کو گناہوں
سے ہلاک کیا اور انھوں نے
توبہ کر کے میری کمر توڑ دی

توبہ اور خواہشات کی کمی پر گفتگو کرتے ہوئے شاہ صاحب قبلہ نے حدیث ارشاد فرمائی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان نے کہا ہے ''میں نے انسانوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انھوں نے توبہ کر کے میری کمر توڑ دی۔ پھر میں نے جب یہ دیکھا تو میں نے ایک نیا کام کیا کہ ان لوگوں کو خواہشات میں مبتلا کر دیا۔ لہٰذا اب یہ قابو میں آ گئے۔''

فاسق و فاجر لوگوں کی تعریف کرنے کی مذمت اور دنیا داروں سے کنارہ کشی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ سر عام گناہ کا ارتکاب کرنے والوں کی مدح و تعریف نہ کرو اور میل جول نہ رکھو۔ اس قسم کے لوگوں کی جب مدح و تعریف ہونے لگے تو اللہ اس قدر غضب فرماتا ہے کہ اس کا عرش کانپنے لگ جاتا ہے۔ فرمایا دنیا دار کی دنیا کی وجہ سے تعریف جس قدر انسان

کو خراب کرتی ہے کوئی دوسری چیز نہیں کرتی۔

شاہ صاحب عموماً اپنی زندگی کے واقعات نہیں سناتے لیکن اپنے موضوع کو تقویت دینے کیلئے اور تربیت کی خاطر ارشاد فرمایا کہ ضیاء الحق صاحب نے اپنے گیارہ سالہ دور میں خواہش رکھی کہ میں اس کے ساتھ ناشتہ کروں، ان کے دور میں جیل میں بھی رہا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اس کا ناشتہ نصیب نہ ہوا۔ ایک دفعہ جنرل ضیاء الحق نے زکوٰۃ کا چیک بھیجا میں نے انہیں خط لکھا کہ آپ نے 22 ویں گریڈ کے افسر کو زکوٰۃ کی رقم سے علاج کے لئے انگلینڈ بھیجا ہے۔ میرے خیال میں یہ زکوٰۃ کا غلط مصرف ہے۔ آپ زکوٰۃ کے استعمال میں احتیاط نہیں کرتے لہٰذا میں اپنے مدرسے کے لئے یہ چیک وصول نہیں کرتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرے دارالعلوم میں حکومت کی زکوٰۃ کا ایک روپیہ بھی نہیں لگا۔

میاں نواز شریف کے دور میں میاں صاحب کے اصرار پر صرف ایک مرتبہ حرمین شریفین گیا وہ بھی اس شرط پر کہ حکومت کی رقم خرچ نہیں ہوگی اگر میاں صاحب اپنی جیب سے رقم خرچ کریں تو سوچا جا سکتا ہے۔ اس طرح میاں صاحب نے اپنی جیب سے چار آدمیوں کا خرچہ برداشت کیا جن میں پیر کرم شاہ صاحب، اور یہ فقیر (سید ریاض حسین شاہ) شامل تھے۔

مشرف صاحب آئے پیغام آیا کہ ملنا چاہتے ہیں، میں نے معذرت کی اور جب امام کعبہ آئے تو پرائم منسٹر صاحب نے فون کیا کہ آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں میں نے کہا کہ اس فقیر کو اللہ نے اتنا دیا ہے کہ اب کسی قسم کی بھوک باقی ہی نہیں رہی۔

تو صاحبو! جو شخص دین اسلام کا مذاق اڑائے اور آپ اس کی تعریف کریں تو کیا اللہ کا عرش غضب سے نہیں ہلے گا؟

تعمیر کردار، حسن خلق، دین کی پاسداری، اللہ و رسول ﷺ پر مر مٹنے کا جذبہ اور غیرت دینی و ملی کا درس تقریباً سوا گھنٹے تک جاری رہا۔ اس کے بعد ذکر کی محفل ہوئی اور پھر نہایت تضرع، عجز و انکساری کے ساتھ دعا کی گئی، جس میں حاضرین کی سسکیوں اور آہوں نے ایک خاص سماں باندھ دیا، جس کا احاطہ الفاظ میں ممکن نہیں۔ اسی وجہ سے سمجھ آتی ہے کہ ایسی محافل میں حاضری سعادت اور غیر حاضری محرومی کا سبب بنتی ہے۔ اللہ سماعت کردہ الفاظ پر عمل کی قوت سے نوازے اور ایسی محافل و محافل والوں کو آباد و شاداب رکھے۔ آمین ثم آمین۔

✿ ✿ ✿

✿ سوال:۔ مرد وعورت کے نماز پڑھنے کے طریقے میں کوئی فرق ہے؟ خصوصاً سجدہ کے حوالہ سے قرآن وسنت میں عورت اور مرد کی نماز بارے کیا احکام ہیں؟

☆ جواب:۔ مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے حوالے سے عمومی قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مرد کی نماز کے تمام افعال کھل کے ادا کرتا ہے۔ اور سمٹ کر۔ عورت کا چونکہ پورا جسم ستر ہے اس لئے اس کی نماز میں صحیح طریقہ وہی ہوگا جو پردے کا باعث ہو۔ بالخصوص سجدے میں مرد نے خوب کھل کر سجدہ کرنا ہوتا ہے بایں طور کہ اس کی ٹانگیں زمین سے، پنڈلیاں رانوں سے اور ران پیٹ سے جدا ہوں۔ ایسے ہی دونوں بازو پہلوؤں سے خوب جدا ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام کی نماز بارے روایت ہے سرکار دو عالم ﷺ سجدہ میں بازو اس قدر کھلے رکھتے کہ بکری کا بچہ وہاں سے گزر سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں عورت خوب سمٹ کر سجدہ کرے گی اس طرح کے اس کی ٹانگیں زمین کے ساتھ پنڈلیاں رانوں کے ساتھ اور ران پیٹ کے ساتھ ملے ہوئے ہوں ایسے ہی اس کے بازو بھی پہلوؤں سے ملے ہوئے ہونے چاہئیں۔ دونوں بازو کہنیوں تک زمین پر بچھا کر سجدہ کرنا ہی اس کے لئے انسب ہے۔ ایسے ہی قعدے میں مرد دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھتا ہے۔ جبکہ عورت نے دونوں پاؤں بچھا کر زمین کے ساتھ سمٹ کر بیٹھنا ہوتا ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اسے "تورک" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں امام اہل سنت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے مراسیل ابوداود کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے:

"عن یزید ابن حبیبؓ ان رسول اللہ ﷺ مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی بعض الارض فان المرأۃ لیست فی ذلک کالرجل

حضرت یزید بن حبیبؓ سے روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا بعض حصہ زمین سے چمٹا لیا کرو اس لئے کہ اس حالت میں عورت مرد کی طرح نہیں۔

یاد رہے کہ یہ روایت دو متصل روایتوں سے مروی ہے۔ اور دونوں سندوں کو امام بیہقی نے احسن قرار دیا ہے۔

☆☆☆

✿ سوال:۔ بچے اور بچی پر نماز کب فرض ہوتی ہے؟ اور کیا ان پر نماز پڑھنے کے لئے سختی کی جاسکتی ہے؟

☆ جواب:۔ شریعت مطہرہ میں فرضیت نماز کے لئے تین شرائط مقرر کی گئی ہیں۔ پہلی مسلمان ہونا کہ کافر پر نماز فرض نہیں۔ دوسری عاقل ہونا یعنی مجنون پر نماز فرض نہیں اور تیسری بالغ ہونا کیونکہ نابالغ احکام شریعت کا مکلف نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کلیے کی روشنی میں کوئی خاص عمر مقرر نہیں کی جاسکتی جب بچہ یا بچی بالغ ہو جائیں نماز فرض ہو جاتی ہے۔ البتہ بچوں میں نماز کی عادت ڈالنے کے لئے بچوں کو نماز کی ترغیب بھی دینی چاہیئے۔ اور بوقت ضرورت ہلکی پھلکی سختی بھی کرنی چاہیئے۔ مگر سختی اتنی ہی ہو جسے بچہ برداشت کر سکیں۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"مروا اولادکم بالصلوٰۃ لسبع واضربوھم علیھا لعشر وفرقوا بینھم بالمضاجع"

اپنی اولادوں کو سات سال کے ہو جانے پر نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں تو سختی سے انہیں نماز پڑھوائی جائے۔ اور ان کے بستر الگ کر دیے جائیں۔

فقہاء نے نماز کے لئے مارنے کی تحدید کرتے ہوئے فرمایا "**بیدہ لا بالخشبہ ولا یزید علی ثلث ضربات**" یعنی ہاتھ سے مارا

جائے نہ کہ ڈنڈے وغیرہ سے اور تین سے زیادہ ضربیں بھی نہ ہوں۔

☆☆☆

✿ **سوال:۔** تقریباً ڈیڑھ لاکھ کی سرمایہ کاری سے میں نے ایک دوکان ڈال کر اپنے دوست کو دی اور اس سے معاہدہ یہ کیا کہ وہ ہر ماہ پانچ ہزار روپے مجھے بطور منافع ادا کرے گا۔ کیا یہ صورت جائز ہے؟

☆ **جواب:۔** کسی ایک آدمی کے سرمائے سے دوسرے کا تجارت کرنا شریعت مطہرہ میں ''مضاربت'' کہلاتا ہے۔ مضاربت میں حاصل ہونے والے نفع کی تقسیم حصوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس میں کوئی خاص مقدار معین کر لینا جائز نہیں ہوتا۔ مذکورہ صورت میں چونکہ مقدار معین کر دی گئی کہ وہ دوسرا شخص پہلے کو پانچ ہزار ادا کرے گا۔ وہ خود چاہے 50 ہزار کمائے یا چاہے خسارے میں ہی کیوں نہ ہو۔ تعیین مقدار کی یہ صورت ناجائز ہے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ حصوں میں (Percentage) کے حساب سے منافع تقسیم کرنے کا معاہدہ کریں۔ مثلاً یہ کہ دوسرا شخص جتنا منافع کمائے گا اس کا اتنا فیصد صاحب مال کو دے گا۔ اور اتنا وہ خود رکھے گا۔

لین دین کے معاملات میں ایک عمومی قاعدہ ذہن نشین رہے کہ شریعت مطہرہ ہر اس معاہدے کو ناجائز قرار دیتی ہے۔ جس میں ضرر یعنی کسی ایک فریق کے نقصان یا غرر یعنی کسی ایک جانب سے دھوکے کے باعث باہم لڑائی جھگڑے کا اندیشہ ہو۔ مذکورہ صورت میں بھی چونکہ یہ امکان موجود ہے۔ لہٰذا اس طرح کے معاہدات سے اجتناب ہی تقاضائے شریعت ہوگا۔

☆☆☆

✿ **سوال:۔** چلتی ہوئی ٹرین میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا گیا جبکہ کچھ لوگ اس کو ناجائز قرار دیتے ہیں؟

☆ **جواب:۔** نماز پڑھنے کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح اتحاد مکان یا استقرار فی الارض (یعنی نماز جس جگہ شروع کی اسی جگہ ختم بھی کی جائے) بھی شرط ہے۔ چلتی ہوئی ٹرین میں چونکہ استقبال قبلہ بھی مشکل ہوتا ہے اور اتحاد مکان بھی نہیں پایا جاتا لہٰذا فرض نماز درست نہ ہوگی۔ ایسی صورتوں میں نماز کو آخر وقت تک مؤخر کرنا چاہیئے۔ اگر تو گاڑی کہیں رک جائے قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ لی جائے درست ہو جائے گی۔ اور اگر گاڑی نہ رکے تو اب وہ معذور ہے۔ اس عذر کے وقت وہ وہاں پر نماز پڑھ کر بعد میں اس کا اعادہ کرے گا۔ یاد رہے کہ یہ سارے احکام فرض نماز کے ہیں۔ نفل نماز چلتی ٹرین میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ رد المختار میں ہے:

''الحاصل ان کلا من اتحاد المکان واستقبال القبلة شرط فی الصلوة غیر النافلة عند الامکان لا یسقط الا بعذر''

حاصل کلام یہ ہے کہ اتحاد مکان اور استقبال قبلہ نفل نماز کے علاوہ فرض نماز میں شرط ہے۔ جب تک ممکن ہو سکے۔ اور یہ شرط بلا عذر ساقط بھی نہیں ہوگی۔

☆☆☆

✿ **سوال:۔** مہر کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ شرعی مقدار موجودہ زمانے کے اعتبار سے کیا ہوگی؟

☆ **جواب:۔** مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے'' لا مهر اقل من عشرة دراهم '' یعنی مہر دس درہم سے کم نہیں ہوتا۔ دس درہم وزن کے اعتبار سے سات مثقال کے برابر ہوتے ہیں۔ ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے اس طرح دس درہم کا وزن ساڑھے 31 ماشے یعنی دو تولے ساڑھے سات ماشے ہوگا۔ موجودہ زمانے میں چاندی کی جو قیمت اتنے وزن کی ہوگی وہی کم از کم مہر ہوگا۔ مثلاً فی وقت اگر چاندی کی قیمت 300 روپے تولہ ہو تو مہر کی کم از کم مقدار تقریباً سات سو اٹھاسی روپے ہوگی۔ اس سے کم مہر غیر شرعی ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ مہر کی مقدار شریعت میں متعین نہیں کی گئی دونوں فریق یعنی میاں بیوی جس قدر پر راضی ہو جائیں وہی مہر مقرر کر دیا جائیگا۔ ملا جیون فرماتے ہیں:

''عندنا وان کان لایقدر فی جانب الاکثر لکن یقدر فی جانب الاقل'' (نور الانوار)

یعنی ہم احناف کے نزدیک اگر چہ زیادہ سے زیادہ مقدار متعین نہیں کی گئی مگر کم از کم مہر کی مقدار شریعت نے متعین کی ہے۔

✿ ✿ ✿

آزادی کی خوشیاں

جرمنی سے ایک مکتوب

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضیٰ

وطن کی محبت فطری امر ہے۔انسان جہاں بھی ہو اپنے دیس کی مٹی کو بھول نہیں سکتا۔وہ سرزمین جس کی آغوش میں اس نے آنکھ کھولی اسکی، فضاؤں، یادوں، باتوں، راتوں اور دنوں کو کیسے فراموش کیا جا سکتا ہے؟خصوصاً پاکستان ایسا پیارا ملک جسکی بنیاد ہی اسلامی نظریات پر قائم ہوئی ہو۔جسکے قیام کی خاطر ہزاروں، لاکھوں جانوں کی قربانی بھی دی ہو۔ ہر محبِ وطن اسکے جنم دن کو ملک اور بیرون ملک جوش و خروش سے مناتا ہے بلکہ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق دبئی میں سارا دن گاڑیوں پر پاکستانی پرچم لہراتے نظر آئے۔

14 اگست2007 کی صبح یوم آزادی کے جذبے سے سرشار ہم حاجی عبدالمجید صاحب کے ہمراہ نیورن برگ سے فرینکفرٹ پہنچے، پاکستانی قونصلیٹ میں پرچم کشائی کی تقریب کا وقت صبح ساڑھے دس بجے تھا۔لیکن دس بجے سے پہلے ہی مختلف شہروں سے محبِ وطن پہنچ گئے۔مقامی چھٹی نہ ہونے کے باوجود پاکستانیوں کی کثیر تعداد دیکھ کر حوصلے بڑھ رہے تھے کہ وطن سے ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود بھی انسان کو وطن کی محبت تڑپاتی ہے۔قونصلیٹ کی جس عمارت میں جشن آزادی کے سلسلہ میں پرچم کشائی ہونا تھی۔ابھی چند ماہ پہلے ہی خریدی گئی تھی اس سے پہلے کرائے کی بلڈنگ کو استعمال کیا جا رہا تھا۔خوشی کی بات یہ کہ جشن آزادی کے موقع پر اس کی افتتاحی تقریب بھی تھی۔ چار منزلہ عمارت سمندر پار جرمنی میں رہنے والے پاکستانیوں کو شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ویزا اور دیگر سہولتوں کی بروقت فراہمی کے لئے خریدی گئی ہے۔

وطن سے ہزاروں میل دور ہونے کے باوجود بھی انسان کو وطن کی محبت تڑپاتی ہے

جرمنی کے مشہور شہر فرینکفرٹ میں قونصلر جنرل کے عہدہ پر تعینات برہان الاسلام اپنے سٹاف کے ہمراہ اسٹیج پر آئے تلاوت کے بعد پاکستان زندہ باد کے نعروں کی گونج میں قومی پرچم کو لہرایا تو تمام حاضرین نے قومی ترانہ کھڑے ہو کر سماعت کیا۔قونصلر جنرل نے اپنے خطاب میں صدر اور وزیراعظم کے پیغام کا تذکرہ کرتے ہوئے پاکستان کے ساٹھویں جشن آزادی کی مبارک دیتے ہوئے کہا کہ آؤ مل جل پاکستان کو مضبوط بنانے کے لئے جدوجہد کو تیز کریں۔پاکستان کے تحفظ اور سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ ہی60ویں جشن آزادی کی یاد میں قونصلر جنرل نے لان میں ایک پودا اگایا اور شرکاء نے اس کو پانی دیا۔اس کے ساتھ ہی ریفریشمنٹ کے لئے تمام مہمان قونصلر جنرل کے ہمراہ ہال میں چلے گئے اس دوران برہان الاسلام لوگوں میں گھل مل گئے۔

جشن آزادی کی اسی شام پری پیڈ مارکیٹ کے چیف ایگزیکٹو چوہدری محمد لیاقت علی نے مقامی ہوٹل کے ایک خوبصورت ہال میں گزشتہ سال کی طرح اس بار بھی اپنے پیارے دیس کی آزادی کی خوشیوں میں ایک باوقار تقریب کا اہتمام کیا۔اپنے اخلاق اور مہمان نوازی کے طریقوں سے آشنا چوہدری لیاقت سماجی، فلاحی اور دینی کاموں میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔انکے ہر دلعزیز ہونے کی وجہ سے مختلف اداروں، تنظیموں، اور شہروں سے پاکستانی اس پروگرام میں شریک ہوتے ہیں۔لیاقت علی ہر آنے والے مہمان کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتے، حاجی بشیر صاحب کے ہمراہ داؤد، فیصل، سجاد اور دیگر نوجوان انتظامی امور میں چاک و چوبند دکھائی دے رہے تھے۔

آج بھی قربانی کی ضرورت ہے تاکہ ملک میں نظام اسلام کا نفاذ ہو جائے

پیر جماعت علی شاہؒ کی عقیدتوں کے حامل علی پور سے تعلق رکھنے والے ضیا ملک وقفے وقفے سے حاضرین کو کولڈ ڈرنک پیش کر رہے تھے۔ضیا ملک کی مسکراہٹوں کے ساتھ مہمانوں کی خدمت پاکستانی نوجوانوں کا جذبہ حب الوطنی اور آزادی کی خوشیوں کا پتہ بتا رہی تھی۔

سات بجے شام اسٹیج سیکرٹری مائیک پر آئے انتہائی پر جوش لہجے میں مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے مولانا صدیق چشتی کو تلاوت، بابر چشتی کو نعت اور کلام اقبال کے لئے مولانا صدیق مصطفائی کو دعوت دی۔ اسٹیج کے عقب میں سکرین نصب تھی جہاں سے قومی ترانے کے ساتھ وطن کے مختلف مناظر دکھائے گئے۔ پروگرام کے باقاعدہ آغاز سے پہلے مہمانوں کی دلچسپی کے لئے سکرین کے ذریعے ملی نغمے اور ترانے سنائے گئے۔ ہال کو پاکستانی جھنڈیوں اور جھنڈوں سے سجایا گیا تھا۔ تقریب سے راحیل منیر، شیخ منیر احمد، حمید اللہ خاں، سید خرم شاہ، وصی شاہ اور صاحبزادہ حسنات احمد مرتضٰے نے خطاب کیا۔ مقررین نے پاکستان کی موجودہ صورتحال پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آج بھی قربانی کی ضرورت ہے تاکہ ملک میں نظام اسلام کا نفاذ ہو جائے۔ عدلیہ کی آزادی پر خوشی کا اظہار کیا گیا۔ امانت، دیانت، صداقت کے جذبوں سے پاکستان کی ترقی کے لئے کوشاں ہونے پر زور دیا گیا تاکہ دنیا میں پاکستان کی شان و شوکت، عزت اور آبرو میں اضافہ ہو۔ آخر میں چوہدری لیاقت علی نے اپنے خطاب میں تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام مہمانوں اور شرکا کو کھانا پیش کیا گیا۔

✿ ✿ ✿

پہلا سالانہ عرس و تقریب تقسیم اسناد

مفتی محمد زبیر علیہ الرحمۃ چہرہ جمال کی تابندگی و جلوہ خداداد کی دلکشی کا مظہر

محمد نوید یوسف

کسی مفکر کا ایمان افروز قول قابل دید ہے کہ ''بڑے لوگ وہ ہوتے ہیں جو بڑے اور عالی مقام ہو کر بھی بڑے نہیں بنتے بلکہ سادگی، عاجزی اور کمال انکساری کا پیکر بنے رہتے ہیں''۔

سرزمین پاکستان سے جن عظیم علماء نے عظمتوں کے ہمالہ پر اپنا آشیانہ بنایا ان عظیم یادگار اسلاف میں سے مفتی محمد زبیر علیہ الرحمتہ بھی ایک ہیں جنہوں نے اپنی 76 سالہ زندگی میں پرچم اسلام کی سربلندی کے لیے 26۔ مساجد تعمیر فرما کر صدائے حق کا چراغ فروزاں کرنے میں اہم اہم کردار ادا کیا۔ اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں متاع زندگی کو اسلام کی ضرورت پر نثار کرنے کی خواہش نے دینی جذبات کے سمندر میں تلاطم برپا کر دیا۔ اسی خواہش کی تکمیل کے حصول کے لیے اپنی زرعی زمین کو فروخت کر کے فاروق پارک منڈی سٹاپ ملتان روڈ لاہور میں ایک عظیم الشان اور پروقار ادارہ ''ادارہ تعلیمات اسلامیہ لاہور'' کا سنگ بنیاد رکھ کر علمائے حق کا نام فخر کی ارجمندی سے بلند کر دیا۔ دینی مدارس کی قدیمی خدمات پر موجود دور کے نام نہاد علماء نے فکری غلاظت کے گرد وغبار کی جو چادر تان رکھی ہے یہ ادارہ نہ صرف اس کو تار تار کرنے میں مصروف عمل ہے بلکہ ان کے تمام تر ان فکری تصورات پر مبنی تحریکات کی بھرپور مذمت بھی کرتا ہے۔

ادارہ تعلیمات اسلامیہ لاہور کے بانی و مہتمم مفتی محمد زبیر علیہ الرحمتہ کے پہلے سالانہ عرس کے موقع پر ان کی یادوں سے گلستان حیات کو آباد کرنے کے لیے تقریب تقسیم اسناد کا اہتمام کیا گیا۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے امیر جماعت اہل سنت لاہور ڈویژن علامہ پیر سید شمس الدین بخاری نے حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے ارشاد فرمایا کہ ''مفتی صاحب نے ادارہ و مساجد بنا کر نہ صرف صدقہ جاریہ چھوڑا بلکہ بحر علوم کے پیکر اور اولاد صالح بھی چھوڑی ہے۔ آپ کی اولاد سے حفاظ بھی ہیں اور علماء بھی خصوصاً صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ جو کہ کفرستان میں اسلام کی قندیلوں کا چراغ فروزاں کرنے میں مصروف عمل ہیں''۔ علامہ صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ نے فرمایا کہ ''موجودہ دور سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے لیکن اس کے باوجود انجیل کے 2 لاکھ سے زائد نسوخ موجود ہیں اور ہر کوئی ایک دوسرے سے جدا لیکن چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود دنیا کے کسی گوشے سے بھی قرآن کا نسخہ اٹھا کر دیکھیں نہ اس کی زبر مختلف ہو گی نہ زیر مختلف ہو گی۔ اس لیے کہ قرآن مجید خود خدا کا نازل کردہ کلام مجید ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اٹھا رکھا ہے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ آج مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرف میلی نظروں سے دیکھنے والوں کو ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور تاریخ کے حقائق کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ کیا انہوں نے ابرہہ جیسے سورماؤں کا انجام عبرت ناک نہیں دیکھا جو باطل ارادوں کے ساتھ خانہ کعبہ کو مسمار کرنے کے لیے جنوں کی حد تک پہنچ گئے تھے۔ آج صفحۂ ہستی پر ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا''۔ ان کے علاوہ ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس ڈاکٹر سرفراز نعیمی، علامہ بدر الزماں، میاں غلام شبیر قادری، حافظ محمد نعمان، حافظ علامہ رضوان یوسف، حافظ برکات احمد اور دیگر علماء نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ علامہ نوید قادری، قاری نصر اللہ، ڈاکٹر منظور حسین اختر اور محمد بہاؤ الدین بھی مہمانان خصوصی رہے۔ یاد رہے کہ بیربل شریف کے سجادہ نشین صاحبزادہ خالد سیف اللہ صاحب نے صدارت کے فرائض سر انجام دیئے۔

''ادارہ تعلیمات اسلامیہ لاہور'' میں بحر علوم کے جو خزانے تقسیم کیے جاتے ہیں ان میں حفظ و ناظرہ، درس حدیث و تفسیر، صرف و نحو، منطق و فلسفہ، عربی سائنس و کمپیوٹر کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ تقسیم اسناد کی اس تقریب میں 20 طلباء اور 20 طالبات نے قرآن حکیم کے نور سے اپنے سینوں کو منور کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ایک طالب علم اور پانچ طالبات کو درس نظامی کے علوم پر دسترس حاصل کرنے کا اعزاز نصیب ہوا۔ تمام طلباء و طالبات کو اسناد دی گئیں اور فخر و سعادت کے تاجوں سے سروں کو سجایا گیا۔ ادارہ کے دو طلباء حافظ جاوید اقبال اور حافظ نوید یوسف نے مفتی صاحب کی حیات مبارکہ کے حوالے سے علمی تقاریر بھی کیں۔ آخر میں اعلان کرتے ہوئے صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ نے کہا کہ انشاء اللہ نومبر سے ''ادارہ تعلیمات اسلامیہ'' لاہور میں دورہ تفسیر کا آغاز کیا جائے گا اور ذوق رکھنے والے احباب سے اس میں شرکت کی بھرپور اپیل بھی کی گئی۔

❁ ❁ ❁

قائداعظم کا مسلک

نام کتاب : قائداعظم کا مسلک

مصنف : سید صابر حسین بخاری

موضوع : سیرت قائداعظم کے ایمان افروز پہلو کی دل آویز تحقیق

صفحات : 480

قیمت : لکھی نہیں

اشاعت : بزم رضویہ لاہور

قائداعظم کا مسلک سید صابر حسین بخاری کی خوبصورت کتاب ہے۔ اپنے موضوع پر سید صابر حسین بخاری کا کام منفرد ہے اس عنوان پر کتاب کی صحیح قیمت جاننے کے لیے سید ریاض حسین شاہ کی تقریظ ممد اور معاون ثابت ہو سکتی ہے۔

پاکستان، اسلام اور قائداعظم تین ایسے نام ہیں جن سے دلوں کی دھڑکنیں حرارت پاتی ہیں اور انسان کی فکری تاریخ میں وطن، مذہب اور قیادت بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بے پایاں نعمتوں سے نوازا، اسلام دیا، مذہب کی عظمت بخشی، حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عشق لازوال عطا کیا اور "پاکستان" ایسا "تحفۂ بے مدیل" مقدر ٹھہرایا۔ اس میں کیا شک ہے کہ ہماری آزادی اور حریت کی تحریک کو منظم کرنے میں قائداعظم محمد علی جناح نے اساسی کردار ادا کیا۔ قائداعظم محمد علی جناح کی ذات میں علم و عرفان، فکر و عمل اور اقدام و تحریک ایسی بہت سی خوبیوں کا جمع ہونا حسن اتفاق نہیں بلکہ والدین کی ابتدائی تعلیم، ذہین اساتذہ کی مسلسل کوشش اور اُن کی روح اور ذہن میں موجود اعتقادی استحکام اور مذہبی صلابت کی وجہ سے تھا۔

پچھلے کچھ عرصے سے "قیادت اور کردار" کے حوالے سے دو قسم کی سوچیں سامنے آ رہی ہیں کہیں آپ دیکھیں گے کہ مذہبی خیالات سے دوری اور مجبوری کو عظمت قیادت کی بنیاد ٹھہرایا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے نزدیک قائد قسم کے لوگ مسجدوں میں نظر نہیں آتے، قرآن کی تلاوت نہیں کرتے، مذہبی اظہارات ان کے ہاں نہیں ہوتے، وہ جنازوں اور عیدوں میں شرکت نہیں کرتے، مروجہ مذہبی اقدار کو وہ قریب نہیں لگنے دیتے اور دوسری سوچ کے مطابق "قائدین" مسجدوں ہی میں رہتے ہیں، عمرانی زندگی کے تقاضوں سے وہ دور رہنے والے لوگ ہوتے ہیں، تسبیح و سجادہ اور ریاضتوں عبادتوں ہی سے وہ نئے انقلاب پھونکتے ہیں، سوچوں کا تضادات عظمت دیکھنے کے پیمانوں کو موزوں کرنے میں کامیاب یا ناکام ہوتا رہتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ پر جتنے لوگوں نے لکھا ہے اور تحقیق کی ہے لگتا یہ ہے کہ مغربی اداروں ہی میں پلتے بڑھتے رہے۔ وکالت کی پیشہ ور ریاضت سے ہی ہمیشہ گھائل ہوتے رہے۔ آناً فاناً قوم نے ضرورت محسوس کی اور انہیں قائد بنا لیا اور انسانوں کے ہجوم میں وہ قدرے کامیاب انسان ثابت ہوئے اور حالات نے ان کے ہاتھوں سے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کا تحفہ بخش دیا الغرض کسی نے گل دیکھا اور خوشبو نہ سونگھی اور کسی نے خوشبو سونگھی اور گل نہ دیکھا، کسی نے چراغ پایا لیکن روشنی سے محروم رہا اور کسی نے روشنی کی کرنیں دیکھیں لیکن چراغوں کا مشاہدہ نہ کیا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ قائداعظم محمد علی جناح کی اصل قوت کا سراغ لگایا جاتا ان کی شخصیت کو بغیر شعوری منافقت کے لوگوں کے سامنے لایا جاتا۔ سیکولرزم کے گند میں پلنے والے محققین نے قائداعظم کے ساتھ انصاف نہ کیا۔ اُن کی خوبیوں اور ان کی حق آگاہی اور صدق عملی اور نتیجہ خیز تحریک کا اصل محرک بیان کرنے میں اہل قلم ناکام رہے۔ سونے اور چاندی کے قلم سے لکھنے والے" گھگ رائیٹرز" یعنی

بڑے قلم کار منزل متعین نہ کر سکے اور نرد آفریدہ اور چوب تراشیدہ قلم سے لکھنے والے قلم کار پیر سید صابر حسین شاہ قائد کی اصل قوت کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگر آپ چاہیں کہ تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو پڑھیں تو پیر سید صابر حسین شاہ کی کتاب ''قائد اعظم اور ان کا مسلک'' پڑھیں۔ اس کتاب میں آپ محسوس کریں گے کہ یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے قائد اعظم کے ہاتھوں میں آپ کو قرآن حکیم بھی دکھائی دے گا۔ وکالت کرنے والا قائد مسجد میں نماز پڑھتا ہوا بھی نظر آئے گا، وائسراؤں اور میکالوں کی دنیا میں بھی فکر صحیح کے چراغ روشن کرنے والا قائد اعظم پیر جماعت علی شاہ کے زاویہ اور پیر مانکی کے قدموں میں بیٹھا ہوا پایا جائے گا اور زبان سے اسلام کی عظمت اور قرآن کے لازوال ہونے اور حضور ﷺ کے بے مثال ہونے کے خطبے بھی صادر ہوتے سنائی دیں گے۔

میرے خیال میں ''قائد اعظم اور ان کا مسلک'' نہ پڑھنے والا شخص قائد کی حقیقی شخصیت دیکھنے سے محروم رہتا ہے۔ باقی رہا پیر سید صابر حسین شاہ کا معاملہ انہیں پڑھنے کے لیے، دیکھنے کے لیے اور سمجھنے کے لیے حق بین نظر درکار ہے بصورت دیگرے معاشرے میں تو یہ حقیقت سرایت کیے ہوئے ہے:

کچھ محبت کی آگ ہوتی ہے
کچھ رقابت کے خار ہوتے ہیں
دوستوں کی مزاج پرسی کے
زاویے بے شمار ہوتے ہیں

سید صابر حسین شاہ صاحب صحرائے تحقیق و جستجو میں مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ اللہ کرے وہ کامیاب ہوں اور ہر ساعت اپنے رشحات قلم سے قوم و ملت کو نوازتے رہیں۔ اگر سر راہ ہم فقیروں سے ملاقات ہو گئی ہے تو بقول عدم ہمارا مشاہدہ اور انتظار یہی ہے:

خزاں کے دل دوز حادثے پر خلوص سے غور کر رہا ہے
کہیں کہیں صحن گلستاں میں لٹا لٹا کوئی آشیانہ
ادھر سے آ ہی گئے ہو صاحب تو ہم فقیروں سے بخل کیسا
یہاں بھی اک شب قیام کر لو دعائیں دے گا غریب خانہ

✿ ✿ ✿